ماہنامہ

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - March 2021 - Registered No. CPL-13

(قیمت 10 روپے)

جلد نمبر28......شمارہ نمبر 3 ...... مارچ2021

ڈھونڈ کے لاؤ

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت		بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

فہرست

پریس ریلیزیں	03
پاکستان میں جبری گمشدگیوں کا گھمبیر مسئلہ اور اس کا حل	04
سرحدوں کی باڑ، جو ہمارے شہروں تک آ گئی	06
پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال	07
ماضی کی آمریت کی وجہ سے طلبہ سرگرمیاں پابندیوں کا شکار	10
2021 موت سے لڑنے کا سال	11
شمالی وزیرستان میں لڑکیوں کو ہنر سکھانے والی چار خواتین قتل	12
ذہنی بیماری اور جسمانی معذوریاں	13
معیاری تعلیم کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے یا افراد کی؟	19

'وہ عزم و ہمت کا پیکر تھیں' ایچ آر سی پی کا عاصمہ جہانگیر کو خراجِ تحسین

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) میں منعقد ہونے والے ایک ریفرنس میں، انسانی حقوق کے کارکنان نے ایچ آر سی پی کی شریک بانی اور انسانی حقوق کی ممتاز دفاع کار عاصمہ جہانگیر کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

نامور صحافی اور سابق سیکرٹری جنرل آئی اے رحمان نے کہا کہ محترمہ جہانگیر 'جرآت کا عملی مظہر' تھیں۔ وہ بااصول فعل یا مؤقف کے ممکنہ نتائج سے کبھی نہیں گھبرائیں۔ محترم رحمان نے یاد کرتے ہوئے کہا کہ جب سول سوسائٹی کے کچھ حلقوں نے 1999 میں پرویز مشرف کے بظاہر لبرل فوجی نظام کو انسانی حقوق کے لیے ''امید کا دریچہ'' قرار دیا تو محترمہ جہانگیر نے بلاتامل کہا، ''مگر ہمیں اس دریچے سے بلاسوچے سمجھے چھلانگ لگانے کی ضرورت نہیں''۔

محنت کشوں کے حقوق کے کارکن فاروق طارق نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر انتہائی قلیل وقت کے نوٹس پر بھی، مزدوروں کے حقوق کے لیے ہونے والے مظاہروں میں شرکت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھیں اور انہوں نے اوکاڑہ میں فوج کے زیرِ ملکیت زرعی کھیتوں میں انجمن مزارعین پنجاب کو منظّم و متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سول سوسائٹی کے کارکن محمد تحسین کا کہنا تھا کہ ان کی موت سے ہونے والے خسارے پر سر جوڑ کر بیٹھنے کی بجائے ان کے مشن کو آگے بڑھانا زیادہ ضروری ہے۔

عالیہ ملک ایڈووکیٹ جنہوں نے اے جی ایچ ایس میں محترمہ عاصمہ کے ساتھ پچیس برس تک کام کیا، کا کہنا تھا کہ عاصمہ جہانگیر نے اپنے جونیئر ساتھیوں کو ہمیشہ ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ اگر عدالتیں انہیں سننے سے انکار کرتیں تو محترمہ جہانگیر کہتیں کہ انہیں زیادہ مضبوط شواہد کے ساتھ واپس پلٹنا ہوگا اور عدالتوں سے پوچھنا ہوگا کہ انہیں کس بنیاد پر سننے سے انکار کیا گیا تھا۔

سابق چیئرپرسن ڈاکٹر مہدی حسن نے ایک دلخراش واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ جب عدالت عالیہ لاہور کے باہر توہینِ رسالت کے ملزم ایک مسیحی شخص کو گولیاں مار کر قتل کیا گیا تو مقتول کے آخری الفاظ تھے: 'جو کچھ ہوا ہے عاصمہ جہانگیر کے علم میں لایا جائے۔' بلاشبہ ان کا نام انسانی حقوق کا عملی مظہر تھا، جن کے لیے انہوں نے عمر بھر جدوجہد کی۔

چیئرپرسن حنا جیلانی نے ماضی کے جھرونکوں میں جھانکتے ہوئے کہا کہ عاصمہ جہانگیر 'باعمل' شخصیت تھیں۔ انسانی حقوق کے لیے کمیشن کے قیام کا تصور مرحوم اقبال حیدر نے پیش کیا تھا، مگر یہ عاصمہ جہانگیر ہی تھیں جنہوں نے اسے ممکن بنایا۔ انہوں نے مزید کہا کہ عاصمہ جہانگیر نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا اسے آگے بڑھانے کی ذمہ داری اب پاکستان بھر کے کارکنان پر عائد ہوتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اب ہماری زبان بندی کی جا رہی ہے اور ہم سے انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف متحرک ہونے کا حق چھینا جا رہا ہے، اور اس جدوجہد میں ہم اپنے بہت سے دوست اور ساتھی کھو چکے ہیں، مگر انسانی حقوق کے دفاع کار کی حیثیت سے، ہم وسوسوں میں پڑنے یا گھبراہٹ کا شکار ہونے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

گذشتہ برس ایچ آر سی پی کی طرف سے شروع ہونے والا عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر 16 فروری 2021 کو اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ اس برس کا لیکچر سینیٹر رضا ربانی دیں گے۔ وہ انجمن سازی کی آزادی اور طلباء تحریک پر گفتگو کریں گے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 11 فروری 2021]

سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت حقوق سے انحراف کی روش جاری ہے: دوسرا عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی طرف سے منعقد ہونے والے دوسرے عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر کے موقع پر، سینیٹر رضا ربانی نے کہا کہ ملک کے دستور نے تو انجمن سازی کی آزادی کے حق کو تحفظ فراہم کر رکھا ہے مگر ریاست اس حق سمیت دیگر بنیادی حقوق سے 'انحراف' اور 'انکار' کی سوچی سمجھی پالیسی پر گامزن ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ ایوب خان اور ضیاء الحق کی آمریتوں نے جانی بوجھی سازش کے تحت طالبعلموں، محنت کشوں اور دانشوروں سمیت جمہوری جدوجہد کے بنیادی عناصر کو الگ تھلگ کیا۔ اگرچہ مرحومہ بے نظیر بھٹو نے 1988 میں طلباء یونینوں کی بحالی کی کوشش کی مگر "ماضی و حال کی تمام سیاسی حکومتوں کو 'یرغمال' بنانے اور خود کو سب سے بالاتر سمجھنے والے ریاستی ڈھانچے نے ایسی کاوشوں کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیا۔ سینیٹر ربانی نے اس حقیقت کو بھی آشکار کیا کہ جون 1992 میں طلباء یونینوں پر پابندی عائد کرنے والا عارضی عدالتی حکمنامہ 'آرٹیکل 17 میں کھلی مداخلت' تھی، اور بعد میں محدود حد تک طلباء سرگرمیوں کی اجازت دینے والا مارچ 1993 کا عدالتی فیصلہ اس ناقص سوچ پر مبنی تھا کہ طالبعلموں کو سیاسی معاملات میں دخل دینا زیب نہیں دیتا۔

سینیٹر ربانی نے اپنے سامعین کو یاد دلایا کہ پاکستان میں طلباء یونینوں نے ایسے رہنماء پیدا کیے جنہوں نے سیاست میں مثالی کردار ادا کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جس طلباء تحریک کے دوران پاکستان میں اختلافِ رائے کو دبانے کے لیے طلباء رہنماؤں پر بغاوت کے مقدمے چلانا ریاست کا وطیرہ بن گیا تھا، اسی تحریک سے متاثر ہو کر انہوں نے مجموعہ تعزیرات پاکستان سے دفعہ 124 الف ہٹانے کے لیے پارلیمان میں ایک مسودہ قانون پیش کیا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ یہ امر 'باعثِ شرمندگی' ہے کہ بلوچستان میں طالبعلموں کو اٹھا کر غائب کیا جا رہا ہے: 'پارلیمان نے اس معاملے کو اٹھایا تھا، مگر بالآخر نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ گہری ریاست (deep state) اس مسئلے پر کان دھرنے کو تیار نہیں۔'

ایچ آر سی پی کے مؤقف کو اجاگر کرتے ہوئے، اعزازی ترجمان آئی اے رحمان نے کہا کہ طلباء یونینوں کا معاملہ صرف طالبعلموں تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ ایک قومی معاملہ ہے جس کی ذمہ داری تمام شہریوں کو لینا پڑے گی۔ اس اہم موضوع پر اظہار خیال کرنے پر سینیٹر ربانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، ایچ آر سی پی کی چیئرپرسن حنا جیلانی نے کہا کہ ایچ آر سی پی نہ صرف طلباء تحریک کے پیچھے بلکہ اس کے شانہ بشانہ کھڑا ہے اور طالبعلموں کے مشن کو پھیلانے کا کام جاری رکھے گا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 فروری 2021]

پاکستان میں جبری گمشدگیوں کا گھمبیر مسئلہ اور اس کا حل

فرحت اللہ بابر

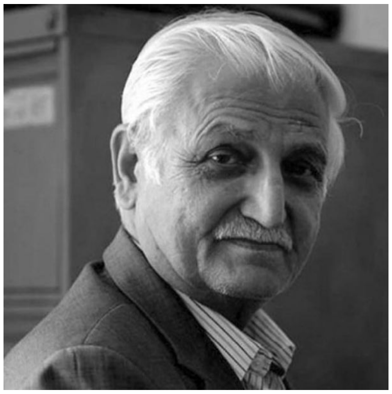

جنزل پرویز مشرف نے اپنی کتاب "اِن دی لائن آف فائر میں اِس کا اقرار کیا ہے۔ اور اُن کے الفاظ یہ تھے۔

"We handed over 369 people to the USA and earned bounties totallíng millions of dollars.'' Those who habitually accuse us that we are not doing enough in the war on terror should simply ask the CIA how much prize money it has paid to us".

تو گویا پاکستان کی فوج کا اُس وقت کا سربراہ اپنی کتاب میں برملا یہ کہتا ہے کہ "ہم نے کسی قسم کی باضابطہ کاروائی کی پیروی کیے بغیر لاکھوں ڈالر وصول کرنے کے لیے لوگوں کو سی آئی اے کے حوالے کیا۔ چونکہ اِس بات کو کسی نے نہیں اٹھایا، کہ اُس وقت کا سربراہ مملکت یہ کہہ رہا ہے تو ان سے پوچھا جائے کہ کن لوگوں کو بھیجا گیا، کیا وجوہات تھیں؟ کیا الزامات تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو پارلیمان میں یہ بات اٹھائی گئی۔ جب یہ کتاب چھپی تو پارلیمان میں بات ہوئی کہ یہ شخص جب یہ بات کر رہا ہے تو اس معاملے کی تحقیقات ہونی چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اردو میں کتاب چھپی تو اس میں سے یہ انگریزی کے تین جملے حذف کر دیے گئے۔ اگر آپ انگریزی کی کتاب اور اردو کی کتاب کا موازنہ کریں تو انگریزی کی کتاب میں اقرار ہے مگر اردو کی کتاب میں سے اس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جب موجودہ حکومت آئی تھی تو ہم سب کی توقعات زیادہ تھیں کیونکہ ان کے منشور میں اور باقی سب جماعتوں کے دساتیر میں یہ شامل تھا۔ اور موجودہ حکومت کا کہنا تھا کہ وہ جبری گمشدگی کو جرم قرار دینے کے لیے ایک مہینے کے اندر اندر قانون سازی کریں گے۔ اور سو دن کا جو اِن کا ایجنڈا تھا اُس میں بھی اِس بات کا اقرار تھا کہ ہم یہ ہدف حاصل کریں گے۔ اور مجھے یاد ہے کہ 30 اگست کو جبری گمشدگیوں کے خلاف عالمی دن ہوتا ہے اور ان کی حکومت کے کچھ عرصہ بعد ہی 30 اگست تھا، اور اُس دن ڈی چوک پر ایک جلسہ نما تقریب تھی جس میں وزیر برائے انسانی حقوق نے کہا تھا کہ مسودہ قانون بن گیا ہے اور اسے ہم ایک مہینے کے اندر اندر لا رہے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ مگر اُنہی دنوں میں، اسلام آباد ہائی کورٹ نے ایک بڑا دوررس فیصلہ کیا جس میں عدالت نے جبری گمشدگی کے ایک مقدمے میں سیکرٹری دفاع اور آئی جی پولیس کو جرمانہ کیا اور ساتھ ہی کہا کہ جبری لاپتہ ساجد کے خاندان کو اتنی رقم دی جائے اور ماہوار پنشن بھی دی جائے۔ اور پھر بدقسمتی سے حکومت نے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ اور مجھے یقین ہے کہ حکومت مجبور تھی کہ وہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرواسکی۔ اور یہ بات پارلیمان میں اٹھائی گئی، سپریم کورٹ میں اٹھائی گئی۔ پارلیمان بے بس ہوئی، سپریم کورٹ بے بس ہوئی۔ میں اس لیے کہتا ہوں کہ سپریم کورٹ بے بس ہوئی کیونکہ 2010 میں ایک بڑا واقعہ پیش آیا۔ اور 2010 وہ وقت ہے جب سپریم کے چیف جسٹس دوبارہ بحال ہو کر اپنے عہدے پر براجمان ہوئے۔ اور چیف جسٹس اپنے اختیارات کا استعمال کرتے نظر آ رہے تھے، اور لگ رہا تھا کہ اب یہ معاملہ کسی حد تک حل ہو سکتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ہاں، اُس وقت سپریم کورٹ نے واقعی ایک بھرپور کوشش بھی کی۔ مئی 2010 میں اڈیالہ جیل میں قید 11 افراد کو رہا کر دیا گیا۔ گیارہ اڈیالہ کے نام کا مقدمہ بڑا مشہور ہوا تھا۔ انہیں رہا کیا گیا اور وہ عدالت سے باہر آ رہے تھے۔ انہیں ہتھکڑیوں میں عدالت سے باہر نکالا گیا۔ اُن کے وکیل اور اہلِ خانہ کھڑے ہوئے تھے کہ عدالت کے باہر گاڑیاں اُن کا انتظار کر رہی تھیں جن میں ڈال کر انہیں نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ اُس وقت خیال یہ تھا کہ عدالت نوٹس لے گی، عدالت نے واقعی نوٹس لیا اور انہیں عدالت میں پیش کرنے کا حکم صادر کیا۔ مگر عدالت میں اُن کی پیشی کے دوران معلوم ہوا کہ اُن میں سے چار لوگ دورانِ حراست وفات پا گئے تھے۔ اس کے بعد اس مسئلے پر مزید کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ صاف طور پر نظر آ رہا تھا کہ یہ واقعہ جبری گمشدگیوں کا تھا مگر ریاست اور ریاستی ادارے اپن لوگوں کو بازیاب کروانے میں ناکام رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اِس معاملے میں کس حد تک بے بس تھی۔ بعدازاں پارلیمان نے اِس حوالے سے کچھ کوشش کی۔ سینیٹ نے خود کو تمام اراکین کی کمیٹی میں بدلا اور فوری وستے انصاف کے لیے سوچ بچار کیا۔ جبری گمشدگیوں کا مسئلہ چونکہ انصاف کے ساتھ جڑا ہوا ہے اس لیے اس کا بھی جائزہ لیا گیا۔ ماہرین کی رائے لینے کے لیے اُنہیں بھی بلایا گیا۔ کمیٹی نے اپنی سفارشات مرتب کیں جن میں ایک اہم سفارش یہ تھی کہ خفیہ ایجنسیوں خاص طور پر آئی ایس آئی کو قانون کے تابع کیا جائے۔ اور ایک مسودہ قانون بھی تیار کیا گیا۔ اور تجاویز حکومت کو بھیجی گئیں۔ اب حکومت کے لیے ساٹھ دنوں کے اندر اندر جواب دینا لازمی تھا۔ اسے یہ بتانا تھا کہ وہ ان تجاویز پر عملدرآمد کرے گی یا اس کے لیے ان تجاویز پر عملدرآمد کرنا ممکن نہیں۔ مگر دو ماہ تک حکومت نے کوئی جواب نہ دیا تو اسے یاددہانی کروائی گئی اور تجاویز کا جواب مانگا گیا۔ یہ دسمبر 2016 کی بات ہے۔ بعد میں بھی پارلیمان، خاص طور پر سینٹ ایوان میں اس معاملے پر قراردادیں لاتا رہا ہے اور حکومت سے مسئلے پر قابو پانے کا مطالبہ کرتا رہا ہے مگر نہ تو اُس وقت کی حکومت نے اور نہ ہی موجودہ حکومت نے اِس معاملے کو سنجیدہ لیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے؟ میرے خیال میں ابھی تک کھلے عام اور واضح طور پر یہ مؤقف نہیں اپنایا گیا کہ ریاستی ادارے اس میں ملوث ہیں۔ ہمیں مصدقہ شواہد و ثبوتوں کے ساتھ یہ مؤقف اپنانا ہوگا کہ ریاست کے ادارے اس میں ملوث ہیں، بتانا ہوگا کہ وہ کس طرح اس میں ملوث ہیں اور کچھ سوالات مرتب کر کے اُن اداروں سے ان کے جوابات لینا ہوں گے۔ اڈیالہ گیارہ کے معاملے پر ہمیں سوال اٹھانا چاہیے کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا؟ سپریم کورٹ میں چلنے والی کاروائی کا کیا بنا؟ یہ سوال پوچھنے ہوں گے۔ اڈیالہ 11 کے چار لوگوں کی ہلاکت سے صاف پتہ چل گیا تھا کہ ریاست کے ادارے اس میں ملوث ہیں۔ اس پر آواز بلند کرنی چاہیے۔ دوئم، شاید اگست 2019 میں آئی ایس پی آر کے ترجمان نے کہا تھا کہ "تمام لاپتہ افراد فوج کی تحویل میں نہیں ہیں۔" اس سے مراد یہ ہے کہ فوج کے ترجمان خود یہ کہہ رہے ہیں کہ کچھ لاپتہ افراد فوج کی تحویل میں ہیں۔ اس چیز کو بھی اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ جی ایچ کیو کے اندر لاپتہ افراد پہ ایک خصوصی سیل قائم کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ کب بنا تھا، اس کے قواعد و ضوابط کیا ہیں، اس کے اندر کتنے لوگ ہیں، ان پر کتنے مقدمات ہیں، کیا کیا الزامات ہیں، اور اس معاملے کی موجودہ حالت کیا ہے؟ اس پر سول سوسائٹی میں بھی آواز اٹھنی چاہیے اور پارلیمان میں بھی اس پر بات ہونی چاہیے۔ گذشتہ برس کے بجٹ کی منظوری کے دوران بلوچستان نیشنل پارٹی کے قائد اختر مینگل نے حکومت کو کہا کہ وہ بجٹ کے حق میں ووٹ نہیں دیں گے اگر حکومت جبری گمشدہ افراد کی رہائی کو یقینی نہیں بناتی۔ انہوں نے حکومت کو ایک فہرست دی کہ ان لوگوں کو بازیاب کروایا جائے۔ پھر انہوں نے بجٹ کے معاملے میں حکومت کا ساتھ دیا، اور پھر بعد میں ہم نے دیکھا کہ اس فہرست میں سے کئی لوگ بازیاب ہوئے تھے۔ بعد میں جب میں نے اختر مینگل صاحب کو لوگوں کی بازیابی کی مبارکباد دی تو انہوں نے کہا کہ "یہ درست ہے کہ تیس، پینتیس لوگ بازیاب

ہوئے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ اور لاپتہ کر دیے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے ادارے لوگوں کو لاپتہ کرنے میں ملوث ہیں۔ 28 اگست 2018 کو سینٹ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق کا اجلاس منعقد ہوا جس میں جبری گمشدگیوں کے انکوائری کمیشن کے سربراہ جسٹس ریٹائرڈ جاوید اقبال بھی پیش ہوئے تھے۔ اُن سے کہا گیا کہ قانون تقاضا کرتا ہے کہ جبری گمشدگیوں میں ملوث لوگوں کے خلاف کاروائی کی جائے۔ تین ہزار کے قریب لوگ بازیاب ہوئے ہیں تو کیا کسی کو ملوث پایا ہے آپ نے اس جرم میں اور کسی کے خلاف کوئی تحقیقات یا کاروائی کی ہے؟ اگر نہیں کی تو اس کی وجہ کیا ہے اور اس حوالے سے آپ کو پارلیمان کے تعاون کی ضرورت ہے؟ انہوں نے اقرار کیا کہ فوج کے 153 افراد کی نشاندہی ہوئی ہے جو جبری گمشدگیوں کے واقعات میں ملوث تھے اور کاروائی کی گئی ہے۔ مگر انہوں نے تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ لوگ کون تھے اور ان کے خلاف کیا کاروائی عمل میں لائی گئی۔ یہ اجلاس پبلک تھا اور ان کا یہ اقرار اجلاس کی کاروائی میں قلمبند کیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگلے روز کے اخبارات میں یہ خبر پہلے صفحے پر نمایاں ہوتی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ صرف ایک اخبار نے بیچ والے صفحات پر ایک خبر لگائی کہ ایسا ایک اجلاس ہوا تھا اور سربراہ انکوائی کمیشن نے انکشاف کیا تھا کہ 153 سرکاری اہلکار جبری گمشدگیوں کے واقعات میں ملوث پائے گئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ قبائلی علاقوں میں کچھ حراستی مراکز تھے جہاں لاپتہ افراد کو رکھا گیا تھا۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ وہاں جو لوگ بے قصور پائے گئے انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور جن لوگوں پر کسی قسم کے الزامات ہوں گے اُنہیں عدالتوں میں پیش کیا جائے گا۔ قبائلی علاقے خیبر پختونخوا میں ضم ہوئے تو ہم نے مطالبہ کیا اور عدالت میں پٹیشن دائر کی کہ چونکہ اب قبائلی اضلاع صوبے میں ضم ہو گئے ہیں تو وہاں حراستی مراکز بند کر دیے جائیں۔ مگر حکومت کی طرف سے جو جواب آیا وہ حیران کن تھا۔ حکومت کا کہنا تھا کہ حراستی مراکز کو جائز قرار دینے والا قانون جس کا اطلاق پہلے صرف قبائلی علاقوں تک تھا، اب اسے پورے صوبہ خیبر پختونخوا تک توسیع دی جاتی ہے۔ چنانچہ جس غیر منصفانہ قانون کا اطلاق قبائلی علاقوں میں تھا، اُسے پورے صوبے میں لاگو کر دیا گیا۔ ہم نے عدالت میں اسے چیلنج کیا۔ پہلے یہ معاملہ پشاور ہائی کورٹ میں تھا، پھر معاملہ سپریم کورٹ میں چلا گیا۔ اور اُس وقت کے چیف جسٹس آصف سعید کھوسہ معاملے کی سماعت کر رہے تھے۔ پھر وہ ریٹائر ہو گئے اور اس کے بعد سے سپریم کورٹ نے کوئی سماعت نہیں کی۔ اب تین دن پہلے ہم نے عدالت سے استدعا کی ہے کہ اس معاملے کی جلد از جلد سماعت کی جائے اور اسے نمٹایا جائے۔

یہ ساری صورتحال ہے۔ اب ہم یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ:

☆ جبری گمشدگیوں کی انکوائری کے 2010 کے کمیشن کی رپورٹ کو منظر عام پر لایا جائے۔ اس کمیشن کی ایک سفارش یہ بھی تھی کہ آئی ایس آئی اور دیگر خفیہ معلومات کے اداروں کو قانون کے تابع کیا جائے

☆ 2012 میں اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے پاکستان کا دورہ کیا تھا اور اپنی کچھ سفارشات پیش کی تھیں۔ اُن سفارشات پر عملدرآمد کیا جائے

☆ جبری گمشدگیوں کو باقاعدہ ایک الگ جرم قرار دیا جائے۔ اب تو سری لنکا نے بھی اسے جرم قرار دے دیا ہے۔ پاکستان کو بھی پیش رفت کرنی ہوگی۔

☆ موجودہ انکوائری کمیشن کے حوالے سے انسانی حقوق کے اداروں کو اچھی امیدیں وابستہ نہیں ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ نے بھی کہا ہے کہ اس کمیشن کی مدت نہ بڑھائی جائے کیونکہ یہ کسی ایک بھی ملوث فرد کے خلاف تحقیقات اور قانونی کاروائی نہیں کر سکا۔ یہ کمیشن اس معاملے میں بری طرح ناکام ثابت ہوا ہے۔

2011 میں ایکشن اِن ایڈ آف سول پاور کے نام سے ایک قانون بنا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ سیکیورٹی فورسز کی غیر اعلانیہ تحویل میں ہیں اُن کی تحویل کا اقرار کر کے اُنہیں حراستی مراکز میں رکھا جائے اور ان کے خلاف اگر کوئی الزامات ہیں تو اُن کے خلاف مقدمے چلائے جائیں۔ پھر اُس قانون کو مؤثر بہ ماضی کر کے 2008 سے لاگو کیا گیا اور یوں 2011 سے پہلے جو لوگ اُن کی تحویل میں تھے اُنہیں بھی اِس قانون کے دائرے میں لایا گیا۔ اس قانون کے تحت حراستی مراکز کا ایک مکمل نظام موجود تھا، اور یہ طے پایا کہ مشتبہ افراد کو اُن حراستی مراکز میں رکھا جائے گا۔ مگر اب تک کوئی نہیں جانتا کہ کتنے حراستی مراکز ہیں، کتنے لوگوں کو وہاں رکھا گیا ہے، اور اُنہیں کن الزامات یا مقدمات میں وہاں بند کیا گیا ہے۔ قانون کا مقصد تو ان ساری چیزوں کو عوام کے سامنے لانا تھا مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ 2018 میں معلومات کے حصول کا قانون منظور ہوا تھا۔ ہمیں اس قانون کے تحت اس معاملے پر حکومت سے معلومات طلب کرنی چاہیے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لاپتہ افراد کن حالات میں رہتے ہیں اور اُن کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے، اور بازیاب ہونے والوں نے کبھی اس کے بارے میں معلومات دیں؟ ہم نے پارلیمان میں انکوائری کمیشن کے سربراہ سے یہ سوال کیا تھا کہ بازیاب ہونے والے افراد میں سے کبھی کچھ افراد نے اپنے ساتھ ہونے والے سلوک یا اپنے اغواء کاروں کے بارے میں کچھ بتایا تو اُن کا جواب تھا کہ کبھی کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ ہم یہ جواب سن کر بڑا حیران ہوئے۔ ہم نے پارلیمان کو تجویز دی کہ پارلیمان کی کمیٹی بازیاب یا متاثر ہونے والے افراد کو بلائے اور اُن سے معلومات حاصل کرے۔ اور یہ اجلاس خفیہ ہوتا کہ خفیہ معلومات والے ادارے بھی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ اور ان سے معلومات لینے کے بعد کمیٹی ایک رپورٹ مرتب کرے اور پھر وہ رپورٹ چیئرمین سینٹ کو پیش کی جائے اور چیئرمین سینٹ آئی ایس آئی کے سربراہ کو بلا کر اُنہیں رپورٹ دیں۔ مگر اس تجویز پر عملی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ لاپتہ افراد کی درست تعداد کے حوالے سے کہنا چاہوں گا کہ مختلف اداروں کے پاس مختلف اعداد و شمار ہیں۔ سپریم کورٹ کے پاس مختلف اعداد و شمار ہیں۔ کوئی ایک مستند مربوط فہرست موجود نہیں۔ جو کیسز انکوائری کمیشن کو دیے گئے ہیں وہ تو اس پر اپنی رائے دے سکتے ہیں۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ سابقہ فاٹا کے حراستی مراکز اب جیلوں میں تبدیل ہو گئے ہیں اور آئی جی پولیس خیبر پختونخوا کے کنٹرول میں دے دیے گئے ہیں۔ یہ نہایت خوش آئند پیش رفت ہے۔ پشاور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ ان حراستی مراکز کو آئی جی پولیس کے حوالے کیا جائے، آئی جی پولیس وہاں قید لوگوں کی ایک فہرست بنائیں اور پھر وہ فہرست عدالت میں پیش کی جائے۔ حکومت نے اُس فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا تھا۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ کئی لاپتہ افراد کا ریکارڈ تک موجود نہیں۔ اس حوالے سے پہلی ذمہ داری خاندان پر پڑتی ہے کہ وہ کم از کم رپورٹ ضرور کریں۔ کسی بھی ادارے کو جسے وہ چاہیں، انہیں رپورٹ کرنا چاہیے۔ پارلیمان نے پوچھا تھا کہ گذشتہ برسوں میں لوگوں کی نعشیں ملی ہیں، ان کی تعداد کتنی ہے اور ان میں کیا ایسے لوگوں کی نعشیں بھی تھیں جو لاپتہ تھے تو بتایا گیا کہ نعشوں کی تعداد 52 تھی اور ان میں کچھ لاپتہ افراد بھی تھے۔ پھر جب یہ پوچھا گیا کہ ریاست نے اس پر کیا کاروائی کی تو پارلیمان کو بتایا گیا کہ ان نعشوں کے لواحقین نے قانونی کاروائی کروانے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ بڑی تشویشناک بات تھی کہ لوگوں کو ریاست پر اتنا بھی اعتماد نہیں رہا کہ وہ اس سے کسی قسم کی مدد لینے سے ہی انکار کر دیں۔ قانون سازی کے حوالے سے کہوں گا کہ ایسا قانون منظور ہو جو خفیہ معلومات کے اداروں کے قانون کے تابع بنائے اور اُنہیں اپنی کاروائیوں کے لیے جوابدہ ٹھہرائے۔ حزبِ اختلاف کی جماعتوں کے اتحاد پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ کو ایک مسودہ قانون تیار کر کے پارلیمان میں پیش کرنا چاہیے۔

اسلام آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ بہت حوصلہ افزاء تھا جس میں عدالت نے آئی جی اسلام آباد پولیس اور سیکرٹری دفاع کو جرمانہ کیا تھا۔ مگر بعد میں ایک ڈویژن بنچ نے اس فیصلے کو معطل کر دیا ہے جس سے انسانی حقوق کو کارکنان کو بڑی مایوسی ہوئی۔ ایسا بھی ہوا کہ لاپتہ افراد کے لیے آواز اٹھانے والے خود لاپتہ ہو گئے۔ ایسا سندھ اور خیبر پختونخوا میں ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمیں آواز اٹھانی ہے اور بار بار اٹھانی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ یہ آواز اٹھانے والوں کی تعداد بڑھتی رہے۔ پھر ہمیں سیاسی جماعتوں کو مجبور کرنا ہوگا کہ وہ اپنے دساتیر میں جبری گمشدگیوں کے خاتمے کا عہد کریں۔ اس کے علاوہ، ہمارے پاس قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی صورت میں بہت بڑا پلیٹ فارم تھا مگر بدقسمتی سے یہ ڈیڑھ، دو برس سے غیر فعال ہے۔ اس کو فعال بنانے کے لیے کام کرنا ہوگا۔

سابق سینیٹر فرحت اللہ بابر نے ان خیالات کا اظہار ایچ آر سی پی کی طرف سے منعقد ہونے والے ایک آن لائن لیکچر کے دوران کیا تھا۔

سرحدوں کی باڑ، جو ہمارے شہروں تک آ گئی

عامر رانا

اگر منصوبے کے مطابق گوادر شہر کے گرد باڑ لگائی گئی ہے، تو سکیورٹی خدشات کے باعث سیل ہونے والا یہ پاکستان کا پہلا شہر ہوگا

اِس منصوبے کے فوائد و نقصانات، عوامی ردِعمل اور حزبِ خلاف کی تنقید کے علاوہ اس اقدام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیکیورٹی چیلنجز پر ریاست کس طرح کا ردِعمل دینا چاہتی ہے۔ عام طور پر سرحد کو محفوظ بنانے میں باڑ لگانے کو بالکل آخری قدم کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے شہروں کے گرد باڑ لگانے کے لیے مزید مضبوط دلائل کی ضرورت ہے۔

یقینی طور پر گوادر شہر کو سیکیورٹی خطرات لاحق ہیں۔ یہ شہر بلوچ عسکریت پسندوں کے نشانے پر ہے جو گزشتہ 3 سالوں میں اس ضلع میں دہشت گردی کی کم از کم 5 کارروائیاں کر چکے ہیں جن میں سے ایک گوادر شہر میں ہوئی تھی۔ باقی کارروائیاں پسنی، اورماڑا اور جیوانی کے مضافات میں ہوئی تھیں۔ اُن حملوں میں تقریباً 20 سیکیورٹی اہلکار اور 20 شہری جان سے گئے تھے۔

مئی 2019ء میں گوادر کے پرل کانٹینینٹل ہوٹل پر ہونے والا حملہ یہاں ہونے والے خطرناک ترین حملوں میں سے ایک تھا۔ اس حملے کی ذمہ داری بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے) نے قبول کی تھی۔ بی ایل اے نے اس حملے میں دھماکا خیز مواد اور راکٹوں کا استعمال کیا تھا جس کی وجہ سے عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور عمارت کی چوتھی منزل مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔

اسی طرح رواں سال اکتوبر میں شرپسندوں نے گوادر سے کراچی آنے والے آئل اینڈ گیس ڈیولپمنٹ کمپنی لمیٹڈ کے قافلے پر مکران کوسٹل ہائی وے پر حملہ کیا۔ اس حملے کی ذمہ داری بلوچ شرپسندوں کے اتحاد براس نے قبول کی۔ اس حملے میں فرنٹیئر کور کے 7 جوانوں سمیت 14 افراد اپنی جان کی بازی ہار گئے۔

ان حملوں نے بندرگاہ اور سی پیک کے منصوبوں پر کام کرنے والے چینی باشندوں کی حفاظت پر سوالیہ نشان کھڑا کردیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ماہرین کہتے ہیں کہ شہر کے گرد باڑ لگانا خطرے کو ضرورت سے زیادہ سنگین بنا کر پیش کرنے کے برابر ہے۔

بلوچستان حکومت کا کہنا ہے کہ شہر کے کچھ علاقوں میں باڑ لگانا شہر کے ماسٹر پلان میں شامل ہے۔ وزیرِ اعلیٰ بلوچستان جام کمال کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کے خطرے اور عوام کی طرف سے کچھ علاقوں میں مزید سیکیورٹی کے تقاضے پر کچھ علاقوں کو سیف سٹی منصوبے کے تحت باڑ لگا کر محفوظ بنایا جا رہا ہے۔ تاہم مقامی افراد کے بیانات اس سے مختلف ہیں۔

اکثر افراد کا کہنا ہے کہ اگرچہ حکومت نے پرانے شہر کی بحالی کے پروگرام کا آغاز کردیا ہے لیکن اس منصوبے سے اب بھی بجلی اور پانی کی فراہمی کا پرانا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ وفاقی حکومت نے حال ہی میں بلوچستان کے 9 جنوبی اضلاع میں ترقیاتی منصوبوں کے لیے 600 ارب روپے کے پیکج کا اعلان کیا ہے، لیکن مقامی افراد کو اس بات کی امید نہیں ہے کہ انہیں اس میں سے کچھ ملے گا یا پھر ان فنڈز کا درست استعمال ہوگا۔ اس کے علاوہ مکران کے تاریخی خطے کو 'جنوبی بلوچستان' کا نام دینے سے بھی مقامی افراد کو خدشات ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس خطے کو انتظامی لحاظ سے باقی صوبے سے الگ کرنے کا منصوبہ ہے۔ نئے منصوبے کے مطابق 2 داخلی اور خارجی راستے قائم کیے جائیں گے جس سے شہر کے غیر مقامی رہائشیوں اور چینی باشندوں کو تحفظ کا احساس ہوگا۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا اس سے سیکیورٹی خدشات کم ہوں گے؟

نئے منصوبے کے مطابق 2 داخلی اور خارجی راستے قائم کیے جائیں گے جس سے شہر کے غیر مقامی رہائشیوں اور چینی باشندوں کو تحفظ کا احساس ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ پرل کانٹینینٹل پر حملے میں دہشت گردوں نے شہر کے راستے کا انتخاب کیا تھا۔ ان دہشت گردوں کی موجودگی بہرحال ایک خطرہ تو ہے لیکن شہروں کے گرد باڑ لگا دینا اس کا حل نہیں ہے۔ بلوچ عسکریت پسندوں کے پاس داعش، طالبان یا القاعدہ کی طرح بڑے حملے کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ اتنا بڑا حملہ کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو ایسے حملے کی کامیابی پر بھی سوالیہ نشان موجود رہیں گے۔

اس کے علاوہ ان شرپسندوں سے نمٹنے کے لیے ریاست کی حکمتِ عملی پر بھی سوالات اٹھائے جارہے ہیں۔ یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ سیکیورٹی ادارے دفاعی حکمتِ عملی کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں؟ کیا اس سے ان شرپسندوں میں کامیابی کا احساس پیدا نہیں ہوگا؟

سب سے زیادہ ضروری سوال یہ ہے کہ ریاست ان سے نمٹنے کے لیے مفاہمت سمیت دیگر سیاسی اقدامات کا سہارا کیوں نہیں لے رہی جو نا صرف کم خرچ ہیں بلکہ دیرپا استحکام کے لیے ضروری بھی ہیں؟ ریاست نے کچھ سیاسی اقدامات تو کیے لیکن ان میں خود ریاست کی بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ دوسری طرف کو راغب کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوئی۔

معاشی ترقی کے لیے تحفظ کی فضا بہت ضروری ہے اور یہ فضا قومی یگانگت سے ہی بنتی ہے۔ تاہم یہ قومی یگانگت یا بھائی چارہ نہ ہی خود تیار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بزورِ قوت نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے تمام اسٹیک ہولڈرز کو ایک دوسرے پر اعتبار ہونا چاہیے اور یہ اعتبار صرف آپس میں بات چیت اور معاشرتی میل ملاپ سے ہی ممکن ہے۔

سب سے پہلے بھارت نے پاکستان کے ساتھ اپنی سرحد پر باڑ لگائی تھی۔ افغانستان اور ایران کے ساتھ سرحد پر باڑ لگنے کے بعد پاکستان مکمل طور پر باڑ سے گھرا ہوا ملک بن جائے گا۔ شاید پاکستان کو اپنی قومی سلامتی کی ترجیحات اور اقدامات پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔

باڑ لگا کر خود کو محفوظ کرنے کا جو عمل افغان سرحد سے شروع ہوا تھا وہ ایران کی سرحد سے ہوتا ہوا اب ہمارے شہروں تک آ گیا ہے۔ لیکن باڑ اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ اب دہشت گرد اپنی کارروائیاں ترک کردیں گے۔ وہ متبادل تلاش کرلیں گے جیسا کہ ہم افغان سرحد پر دیکھ رہے ہیں۔

گزشتہ حکومتیں قومی سلامتی پالیسی کی تیاری کی کوششیں کرتی رہیں اور اس میں بہت وقت بھی لگ گیا۔ اب قومی سلامتی کے مشیر معید یوسف نے امید دلائی ہے کہ 2021ء کے اوائل تک قومی سلامتی پالیسی کا مسودہ تیار ہوجائے گا۔ اس کی کیا شکل ہوگی اس بارے میں بہت کم معلومات ہیں، لیکن یہ وعدہ ضرور کیا گیا ہے کہ یہ پالیسی سیکیورٹی کی روایتی اور غیر روایتی دونوں جہتوں کا احاطہ کرے گی اور اس میں انسانی تحفظ پر خاص توجہ دی جائے گی۔

بہرحال اس قومی سلامتی پالیسی سے بہت زیادہ امیدیں نہیں رکھی جاسکتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پالیسی پارلیمان اور عوامی فورمز میں ہونے والی بحث کی جگہ بیوروکریسی کی مشاورت کا نتیجہ ہوگی۔ پھر بھی اگر اس پالیسی میں قومی اتحاد کی حکمتِ عملی کو اختیار کیا گیا جس سے تمام متعلقہ فریقین کے درمیان بات چیت شروع ہو تو یہ کئی حوالوں سے فائدہ مند ہوگی۔ کم از کم اس سے ملک اور اس علاقے کے پیچھے رہ جانے والے افراد کو کوئی امید حاصل ہوسکے گی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال:2020

2020 میں، پاکستانی حکومت نے سرکاری عہدیداروں اور پالیسیوں پر تنقید کی پاداش میں انسانی حقوق کے دفاع کاروں، وکلاء اور صحافیوں کو ہراساں کیا اور کئی مواقع پر اُن کے خلاف مقدمے درج کیے۔

حکام نے اختلافِ رائے کو دبانے کے لیے بغاوت اور انسدادِ دہشت گردی کے قوانین استعمال کیے اور سرکاری اقدامات و پالیسیوں کے ناقد سول سوسائٹی کے گروپوں اور اداروں کے لیے سخت قواعد ضوابط کا اطلاق کیا۔

عورتوں، مذہبی اقلیتوں اور خواجہ سراؤں کو بدستور تشدد، امتیازی سلوک اور مظالم کا سامنا رہا اور حکام انہیں مناسب تحفظ فراہم کرنے یا ان کے مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں اکثر ناکام رہے۔ حکومت قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو جوابدہ ٹھہرانے میں ناکام رہی۔ حتیٰ کہ ایذارسانی اور ماورائے عدالت قتل کے نئے الزامات بھی سامنے آئے۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں اور مذہبی اقلیتوں پر اسلامی شدت پسندوں کے حملوں میں درجنوں لوگ مارے گئے۔

پاکستانی حکام نے حزبِ مخالف کی سیاسی جماعتوں کے اراکین اور حامیوں کے خلاف کاروائیاں کیں۔ ریاست کے سابق سربراہان اور وزراء سمیت حزب مخالف کے کئی رہنماؤں کو سیاسی بنیادوں پر عائد بدعنوانی کے مقدموں میں پھنسایا گیا۔

اظہار کی آزادی، سول سوسائٹی کی تنظیموں پر حملے

خوف کی فضا بدستور قائم رہی جس نے ذرائع ابلاغ کو سرکاری سیکیورٹی فورسز اور شدت پسند تنظیموں کے مظالم کو اجاگر کرنے سے روکے رکھا۔ دھمکیوں اور حملوں کا سامنا کرنے والے کئی صحافیوں نے سیلف سنسرشپ کا راستہ اختیار کیا۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ حکومت یا عدلیہ پر تنقید نہ کریں۔ 2020 کے دوران کئی واقعات میں، سرکاری انضباطی ایجنسیوں نے کیبل آپریٹرز کو ایسے ٹی وی چینلز کی نشریات بند کرنے کو کہا جنہوں نے تنقیدی پروگرام نشر کیے تھے۔

ستمبر کے آخر میں، وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) نے الیکٹرانک کرائمز ایکٹ کی خلاف ورزیوں کے الزامات پر کم از کم 12 صحافیوں اور کارکنوں کے خلاف تحقیقات شروع کیں۔ صحافیوں کو سوشل میڈیا پر بیانات کی وجہ سے بھی مقدموں کا سامنا کرنا پڑا۔ 11 ستمبر کو، کراچی میں ایکسپریس ٹربیون کے نیوز ایڈیٹر بلال فاروقی کو بغاوت کے الزامات پر کئی گھنٹے حراست میں رکھا گیا، بعدازاں انہیں ضمانت پر رہائی ملی۔

9 ستمبر کو صوبہ پنجاب، جہلم میں ایک سینئر صحافی ابصار عالم پر سوشل میڈیا پر حکومت کے متعلق ہتک آمیز زبان استعمال کرنے پر بغاوت اور سنگین غداری کا مقدمہ درج کیا گیا۔ 15 ستمبر کو راولپنڈی میں سماٹی وی کے ساتھ وابستہ صحافی اسد علی طور پر ٹویٹر پر تبصرہ کرنے پر بغاوت کا مقدمہ درج کیا گیا۔

عورتوں، مذہبی اقلیتوں اور خواجہ سراؤں کو بدستور تشدد، امتیازی سلوک اور مظالم کا سامنا رہا اور حکام انہیں مناسب تحفظ فراہم کرنے یا ان کے مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں اکثر ناکام رہے۔ حکومت قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو جوابدہ ٹھہرانے میں ناکام رہی۔ حتیٰ کہ ایذارسانی اور ماورائے عدالت قتل کے نئے الزامات بھی سامنے آئے۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں اور مذہبی اقلیتوں پر اسلامی شدت پسندوں کے حملوں میں درجنوں لوگ مارے گئے۔

سرکاری عہدیداروں نے بدعنوانی کے خلاف کام کرنے والے ادارے قومی احتساب بیورو (نیب) کو ناقدین کے خلاف استعمال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ نیب کے اہلکاروں نے 12 مارچ کو پاکستان میں سب سے بڑے میڈیا گروپ، جنگ گروپ کے مدیرِاعلیٰ میر شکیل الرحمان کو 34 برس پرانے جائیداد کے ایک معاملے میں گرفتار کیا۔ وہ تب سے قید میں ہیں۔

جولائی میں، پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) نے، ''خبروں اور حالاتِ حاضرہ کے پروگرام کی "غیر قانونی نشریات" کے الزام میں 24 نیوز ٹی وی چینل کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کرنے کا حکم صادر کیا۔ صحافیوں اور حزبِ مخالف کے کارکنوں کا دعوٰی تھا کہ چینل کو سرکار پر تنقید نشر کرنے کی سزا دی گئی ہے۔ 21 جولائی کو اسلام آباد سے صحافی مطیع اللہ جان کو بعض نامعلوم حملہ آوروں نے اغواء کر لیا۔ اپنے اغوا کے ایک روز بعد، انہوں نے، "عدلیہ کے خلاف توہین آمیز زبان استعمال کرنے اور اداروں کو برا بھلا کہنے" کے الزام میں عدالت عظمٰی کے سامنے پیش ہونا تھا۔

اگست میں، خواتین صحافیوں کے ایک معروف گروپ نے اپنے ایک بیان میں ایسی خواتین صحافیوں اور تبصرہ نگاروں کو سوشل میڈیا پر موت اور ریپ سمیت " کھلی اور منظّم مہم جوئی" کی مذمت کی جو حکومت پر تنقید کر رہی تھیں۔

غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) نے کئی سرکاری اداروں کی دھونس و دھمکی، ہراسانی اور کڑی نگرانی کی شکایات کیں۔ انسانی حقوق کے عالمی اداروں کے اندراج و سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے حکومت نے "پاکستان میں آئی این جی اوز ریگولیشن" پالیسی استعمال کی۔

مذہب اور عقیدے کی آزادی

پاکستانی حکومت نے مذہب کی تضحیک کے قوانین کو تبدیل یا منسوخ نہیں کیا۔ ان قوانین نے مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد کی راہ ہموار کی ہے اور انہیں بے جا گرفتاریوں اور مقدمہ سازی کا شکار بنایا ہے۔ توہینِ رسالت کے لیے سزائے موت لازمی سزا ہے اور 2020 کے اواخر میں 40 افراد اس قانون کے تحت سزائے موت کے منتظر تھے۔ ستمبر میں، لاہور کی ضلعی عدالت نے ایک مسیحی فرد آصف پرویز کو موبائل فون کے ذریعے توہین رسالت پر مبنی پیغام بھیجنے پر موت کی سزا سنائی۔

جولائی میں، ایک احمدی طاہر نسیم جسے توہینِ رسالت کے مقدمے میں 2018 میں گرفتار کیا گیا تھا، کو ایک حملہ آور نے پشاور میں مار ڈالا۔ حملہ آور انتہائی سیکیورٹی والی عدالت کے احاطے میں بندوق سمگل کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ حملہ آور کو گرفتار تو کر لیا گیا مگر کسی حکومتی عہدیدار نے حملے کی مذمت نہیں کی تھی۔

احمدیہ برادری کے لوگ مذہب کی تضحیک کے قوانین، اور احمدی مخالف مخصوص قوانین کا بدستور نشانہ بنتے رہے۔ شدت پسند گروپ اور اسلامی سیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) احمدیوں پر خود کو 'مسلمان ظاہر کرنے" کا الزام عائد کرتے ہیں۔ مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کی رو سے بھی احمدیوں کا خود کو "مسلمان ظاہر کرنا" ایک جرم ہے۔ مئی میں، حکومت نے احمدیوں کو اقلیتوں کے قومی کمیشن کا حصہ نہیں

بنایا تھا۔ نئے بننے والے اس کمیشن کا مقصد ملک کی مذہبی اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ برا سلوک

پاکستان بھر میں عورتوں اور لڑکیوں کے خلاف تشدد بشمول ریپ، قتل، تیزاب کے حملے، گھریلو تشدد اور جبری شادی ایک سنگین مسئلہ بنا رہا۔ انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے اندازے کے مطابق، ہر برس اندازاً ایک ہزار عورتوں کو نام نہاد عزت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ گھریلو تشدد پر کام کرنے والی ہیلپ لائنز کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان بھر میں جنوری سے مارچ 2020 کے دوران گھریلو تشدد کے واقعات میں 200 فیصد اضافہ ہوا، اور مارچ کے بعد کرونا وائرس لاک ڈاؤن کے دوران صورتحال اور زیادہ بگڑ گئی تھی۔

ستمبر میں، لاہور پولیس کے سربراہ نے ایک کھلے عام بیان میں کہا کہ پنجاب میں ایک شاہراہ پر جو عورت گینگ ریپ کا نشانہ بنی، وہ خود بھی قصوروار تھی کیونکہ اُسے رات کے وقت موٹروے پر "اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر" سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس بیان کے بعد ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے جن میں پولیس اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا۔

اگست میں، وزارتِ انسانی حقوق کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ جیلوں میں بند عورتوں کو صحت کی اچھی سہولیات میسر نہیں اور وہ بہت بری حالتوں میں رہ رہی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق، پاکستان کے جیل کے قوانین عالمی اصولوں پر پورا نہیں اترتے اور جیل اہلکار عام طور پر عورتوں کے تحفظ کے لیے بنے قوانین کو اہمیت نہیں دیتے۔ رپورٹ میں یہ بھی انکشاف ہوا کہ جیلوں میں اپنی ماؤں کے ساتھ رہنے والے بچے بھی ناقص غذا اور تعلیم کی کمی جیسے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔

بچوں کی شادی پاکستان میں ایک سنگین مسئلہ بنا رہا جہاں 21 فیصد لڑکیوں کی شادی 18 برس اور 3 فیصد کی 15 برس کی عمر سے پہلے ہو جاتی ہے۔ مذہبی اقلیتوں کی عورتیں، خاص طور پر جبری شادی کا نشانہ بنتی ہیں۔ حکومت نے ایسی جبری شادیوں کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا۔

بچوں کے حقوق

یہاں تک کہ کووِڈ 19 وباء سے پہلے بھی، پاکستان میں پرائمری والی عمر کے پچاس لاکھ بچے اسکول سے باہر تھے۔ ہیومن رائٹس واچ کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اسکولوں کی قلت، تعلیم کے ساتھ جڑے اخراجات، بچپن کی شادی، بچوں کی خطرناک مشقت، اور صنفی امتیاز کی وجہ سے بچیاں اسکول نہیں جا پاتیں۔ کووِڈ 19 کے پھیلاؤ سے بچنے کے لیے اسکولوں کی بندش نے لگ بھگ ساڑھے چار کروڑ طالبعلموں کی تعلیم کو متاثر کیا۔

بچوں کے ساتھ زیادتی عام رہی۔ بچوں کے حقوق کی تنظیم ساحل کے مطابق، جنوری سے جون 2020 کے دوران، پاکستان میں ہر روز اوسطاً چھ بچوں کے ساتھ زیادتی ہوتی رہی۔

ستمبر میں، حکومت نے آرمی پبلک اسکول پشاور میں 2014 میں ہونے والے حملے کی رپورٹ شائع کی۔ حملے میں 145 افراد جن میں زیادہ تر بچے تھے، شہید ہوئے تھے۔ رپورٹ نے اسکول کی انتظامیہ پر سیکیورٹی کے انتہائی ناقص اقدامات کا الزام عائد کیا۔ پاکستان نے ابھی تک اسکولوں کی سلامتی کا اعلامیہ (Safe Schools Declaration) منظور نہیں کیا۔

سیاسی مخالفین پر حملے

ستمبر کے اواخر میں، حزبِ اختلاف کے اتحاد کی تشکیل کے بعد، حکومت نے اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف کاروائیاں تیز کر دیں۔ 29 ستمبر کو، ایک سینیئر سیاسی رہنما شہباز شریف کو لاہور سے گرفتار کیا گیا اور سابق صدر آصف علی زرداری پر اسلام آباد میں فردِ جرم عائد کی گئی، دونوں کے خلاف منی لانڈرنگ کے الزام میں کی گئی اس کاروائی کے پیچھے اصل محرکات تھے۔

بدعنوانی کے خلاف کام کرنے والے پاکستانی ادارے، قومی احتساب بیورو نے سیاسی مخالفین اور حکومت کے ناقدین کو ڈرانے، ہراساں کرنے اور گرفتار کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ فروری میں، یورپی کمیشن نے نیب کو سیاسی تعصب کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ " کہ 2018 کے انتخابات سے لے کر اب تک حکمران جماعت کے وزراء اور سیاستدانوں کے انتہائی کم کیسز پر کاروائی ہوئی ہے اور اس سے نیب کی جانبداری کی عکاسی ہوتی ہے۔" جولائی میں، عدالت عظمٰی نے کہا کہ نیب نے حزبِ مخالف کے دو سیاسی رہنماؤں خواجہ سعد رفیق اور خواجہ سلمان رفیق کی گرفتاری کے عمل میں شفاف ساعت اور باضابطہ کاروائی کی پامالی کی ہے۔ نیب نے انہیں کسی مستند الزام کے بغیر 15 ماہ تک قید کیے رکھا۔

ملک میں وکیلوں کے سب سے بڑے منتخب اداروں، سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن اور پاکستان بار کونسل نے حزبِ مخالف کے رہنما بلاول بھٹو کو طلبی کے پروانے جاری کیے جانے کی مذمت کی اور اسے "سیاسی انتقام کی کاروائی" قرار دیا۔

دہشت گردی، انسداد دہشت گردی اور قانون نافذ کرنے والوں کی زیادتیاں

تحریکِ طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) اور اُن کے اتحادیوں نے بم دھماکوں اور سیکیورٹی عملے پر بلاامتیاز حملوں کا سلسلہ جاری رکھا جن میں سینکڑوں عام شہری مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ فاٹا ریسرچ سنٹر کے مطابق، جنوری سے جولائی کے دوران، 67 حملوں میں کم از کم 109 افراد ہلاک ہوئے۔ 2019 کے مقابلے یہ تعداد دوگنا ہے۔ بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے) کے جنگجوؤں نے سیکیورٹی فورسز اور عام شہریوں کو نشانہ بنایا۔ جون میں، بی ایل اے کے بندوق برداروں نے کراچی اسٹاک ایکسچینج پر حملہ کر کے دو محافظوں اور ایک پولیس اہلکار کو ہلاک اور سات افراد کو زخمی کیا۔

پاکستان کی قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں بغیر الزام کے حراست اور ماورائے عدالت قتل سمیت انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث رہیں۔ پاکستان ایذا رسانی کو جرم قرار دینے کے لیے قانون سازی کرنے میں ناکام رہا۔ حالانکہ ایذا رسانی کے خلاف عالمی معاہدے کے تحت، پاکستان یہ قانون منظور کرنے کا پابند ہے۔

پاکستان میں موت کے قیدیوں کی تعداد 4,600 ہے جس کے باعث پاکستان کا شمار ان چند ممالک میں ہوتا ہے جہاں سزائے موت کے سب سے زیادہ قیدی پائے جاتے ہیں۔ دسمبر 2014 میں پھانسی پر پابندی ہٹنے کے بعد سے، کم از کم 511 افراد کو تختہ دار پر لٹکایا جا چکا ہے۔ موت کی کال کوٹھڑی میں پڑے لوگوں کی زیادہ تعداد پسے ہوئے طبقے سے

بدعنوانی کے خلاف کام کرنے والے پاکستانی ادارے، قومی احتساب بیورو نے سیاسی مخالفین اور حکومت کے ناقدین کو ڈرانے، ہراساں کرنے اور گرفتار کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ فروری میں، یورپی کمیشن نے نیب کو سیاسی تعصب کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ " کہ 2018 کے انتخابات سے لے کر اب تک حکمران جماعت کے وزراء اور سیاستدانوں کے انتہائی کم کیسز پر کاروائی ہوئی ہے اور اس سے نیب کی جانبداری کی عکاسی ہوتی ہے۔" جولائی میں، عدالت عظمٰی نے کہا کہ نیب نے حزبِ مخالف کے دو سیاسی رہنماؤں خواجہ سعد رفیق اور خواجہ سلمان رفیق کی گرفتاری کے عمل میں شفاف ساعت اور باضابطہ کاروائی کی پامالی کی ہے۔ نیب نے انہیں کسی مستند الزام کے بغیر 15 ماہ تک قید کیے رکھا۔

تعلق رکھتی ہے۔

جنسی رجحان اور صنفی شناخت

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی رو سے، ایک ہی صنف کے افراد کا جنسی تعلق بدستور جرم ہے جس کی وجہ سے ہم جنسی تعلق والے مرد اور خواجہ سراء پولیس کی زیادتی، اور دیگر قسم کے تشدد اور امتیازی سلوک کے خطرے سے دوچار ہیں۔ انسانی حقوق کی مقامی تنظیموں کے مطابق، 2015 سے لے کر اب تک صوبہ خیبر پختونخوا میں کم از کم 65 خواجہ سراء عورتیں قتل کی جا چکی ہیں۔ 15 اپریل کو پنجاب کے ضلع فیصل آباد میں 15 سالہ خواجہ سراء لڑکا موسیٰ اجتماعی جنسی زیادتی کا نشانہ بنا۔ جولائی میں، ضلع راولپنڈی، پنجاب میں نامعلوم حملہ آوروں

جولائی میں، پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے وفاقی و صوبائی حکومتوں کو ہدایات جاری کیں کہ معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے عالمی معاہدے جس کی پاکستان نے 2011 میں توثیق کی تھی، کی مطابقت میں معذوری کے شکار افراد کے حقوق محفوظ کیے جائیں۔ پاکستان کے قانون کی رو سے، کسی بھی ادارے میں بھرتی ہونے والے افراد کا 2 فیصد معذوری کے شکار افراد پر مشتمل ہونا چاہیے۔ قابل بھروسہ اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں، مختلف اندازوں کے مطابق، پاکستان میں معذوری کے شکار افراد کی تعداد تینتیس لاکھ سے دو کروڑ، ستر لاکھ تک ہے۔

نے ایک خواجہ سراء عورت کنگنا کو مار ڈالا۔ ستمبر میں، پشاور میں ایک خواجہ سراء خاتون کارکن گل پنڑا کو ایک نامعلوم حملہ آور نے فائرنگ کر کے مار ڈالا۔ قتل کی سوشل میڈیا پر بہت زیادہ مذمت کی گئی۔ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں مارچ میں لاک ڈاؤن کا اطلاق ہوا تو شہر کے کمشنر، افتخار شالوانی نے خواجہ سراء برادری کو صحت کی سہولیات اور دیگر سہولیات کی بلا امتیاز فراہمی کا عہد کیا۔

معذوری کے شکار افراد کے حقوق

جولائی میں، پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے وفاقی و صوبائی حکومتوں کو ہدایات جاری کیں کہ معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے عالمی معاہدے جس کی پاکستان نے 2011 میں توثیق کی تھی، کی مطابقت میں معذوری کے شکار افراد کے حقوق محفوظ کیے جائیں۔ پاکستان کے قانون کی رو سے، کسی بھی ادارے میں بھرتی ہونے والے افراد کا 2 فیصد معذوری کے شکار افراد پر مشتمل ہونا چاہیے۔ قابل بھروسہ اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں، مختلف اندازوں کے مطابق، پاکستان میں معذوری کے شکار افراد کی تعداد تینتیس لاکھ سے دو کروڑ، ستر لاکھ تک ہے۔

کوویڈ 19

اس رپورٹ کے تحریر ہونے تک۔ پاکستان میں کوویڈ 19 کے کم از کم 300,000 مصدقہ کیسز تھے اور اموات کی تعداد کم از کم 6,400 تھی۔ طبی معائنوں کی مناسب موجودگی نہ ہونی کی وجہ سے اصل تعداد زیادہ خدشہ ہے۔ مارچ سے اگست تک، وفاقی و صوبائی حکومتوں نے جزوی یا مکمل لاک ڈاؤن نافذ کیے رکھا۔ البتہ، مریضوں کی تعداد میں اضافے کے باوجود، عدالت عظمیٰ نے مئی میں یہ کہہ کر خریداری کے مراکز کھولنے کو جائز قرار دیا کہ پاکستان کوویڈ 19 سے "شدید متاثر" ملک نہیں ہیں۔

پاکستان ورکرز فیڈریشن کے مطابق، مارچ میں صرف صوبہ پنجاب میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹ صنعت کے کم از کم پانچ لاکھ افراد بے روزگار ہوئے۔ یہ معاشی بندشیں عورتوں، خاص طور پر گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں اور گھریلو مزدوروں کو زیادہ بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ صوبائی حکومت سندھ نے آجروں کو ہدایات جاری کیں کہ وہ لاک ڈاؤن کے دوران اپنے مزدوروں کو ملازمت سے نہ نکالیں، انہیں تنخواہوں کی ادائیگی یقینی بنائیں اور کوویڈ 19 کے منفی معاشی نتائج سے نبٹنے کے لیے ہنگامی فنڈ قائم کریں۔ سندھ حکومت نے تنخواہوں سے متعلق شکایات کے ازالے کے لیے آجر، اجیر اور حکومت پر مشتمل سہ فریقی نظام بھی تشکیل دیا۔ وفاق اور پنجاب کی حکومتوں نے ان مزدوروں میں رقوم تقسیم کیں جو بے روزگار ہو گئے تھے، تاہم وہ رقم صوبے میں مقرر کم از کم معاوضے سے کم تھی۔

وباء کے پھیلاؤ کا خطرہ پاکستانی جیلوں میں زیادہ تھا جہاں گنجائش سے زیادہ قیدی بند ہیں۔ پاکستانی حکام نے قیدیوں کو وباء سے تحفظ فراہم دینے کے لیے کچھ اقدامات کیے۔ مارچ میں، سندھ حکومت نے قیدیوں اور جیل عملے کے کوویڈ 19 طبی معائنے شروع کیے سندھ و خیبر پختونخوا کی حکومتوں نے کئی قیدیوں کو ان کی رہائی مدت سے پہلے چھوڑنے کی پالیسی متعارف کی۔

اہم عالمی کردار

ترقی و عسکری شعبوں میں پاکستان کے سب سے بڑے ڈونر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ غیر مستحکم تعلقات 2020 میں بہتر ہوئے۔ امریکہ نے افغان مذاکرات میں پاکسان کی مدد کا اعتراف کیا۔ اگست میں، امریکی وزیر خارجہ

پاکستان میں کوویڈ 19 کے کم از کم 300,000 مصدقہ کیسز تھے اور اموات کی تعداد کم از کم 6,400 تھی۔ طبی معائنوں کی مناسب موجودگی نہ ہونی کی وجہ سے اصل تعداد زیادہ خدشہ ہے۔ مارچ سے اگست تک، وفاقی و صوبائی حکومتوں نے جزوی یا مکمل لاک ڈاؤن نافذ کیے رکھا۔

مائیک پومپیو نے کہا کہ وہ "امریکہ- پاک تجارت اور بنیادی آزادیوں کے لیے باہمی شراکت کے ذریعے '' امریکہ- پاک تعلقات مضبوط کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ستمبر میں، پاکستان میں امریکہ کے نامزد سفیر ولیم ٹوڈ نے سینٹ کی کمیٹی برائے خارجہ امور کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا کہ ان کا "پہلا ہدف انسانی حقوق خاص طور پر مذہب اور اظہار کی آزادی کا فروغ" ہے۔

پاکستان یورپی یونین کی جی ایس پلس اسکیم سے مستفید ہو رہا ہے جس کی بدولت ملک کو انسانی حقوق کے کئی معاہدات کی توثیق اور نفاذ کے بدلے ای یو کی منڈی تک ترجیحی رسائی حاصل ہے۔ اپنی فروری 2020 کی دو سالہ رپورٹ میں، ای یو نے جبری گمشدگیوں، مزدوروں کے حقوق اور ایذا رسانی، نیز سول سوسائٹی کے لیے سکڑتی فضا اور اختلاف رائے پر بڑھتے دباؤ پر پیش رفت کے فقدان کا ذکر کیا۔

پاکستان اور چین نے 2019 کے دوران باہمی معاشی و سیاسی تعلقات اور مستحکم کیے اور چین- پاکستان معاشی راہداری پر کام جاری رہا جس کا مقصد شاہراہیں، ریلویز تعمیر کرنا اور توانائی کی لائنیں بچھانا ہے۔ جون میں، حکومت نے اپنے قرضوں کی شرائط پر نظر ثانی کے لیے چین کی توانائی کی کمپنیوں کے ساتھ مذاکرات کیے۔ پاکستان نے شنجیانگ میں ایغور اور دیگر ترک النسل مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر خاموشی کا سلسلہ جاری رکھا۔

پاکستان اور ہندوستان کے مابین تاریخی طور پر کشیدہ تعلقات مزید خراب ہوئے۔ ستمبر میں جموں و کشمیر کی خودمختار حیثیت کے خاتمے کے ہندوستانی حکومت کے فیصلے کے بعد، پاکستان نے ہندوستان کے ساتھ اپنے سفارتی تعلقات کم کیے، ہندوستانی ہائی کمشنر کو ملک سے نکال دیا اور، 2020 کے دوران مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ، ای یو اور تنظیم تعاون اسلامی کونسل سمیت عالمی برادری کی مداخلت کی کوششیں جاری رکھیں۔

(ہیومن رائٹس کی عالمی رپورٹ 2021 سے اقتباس، بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

ماضی کی آمریت کی وجہ سے طلبہ سرگرمیاں پابندیوں کا شکار رہیں

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی طرف سے منعقد ہونے والے عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر کے دوران اظہارِ خیالکرتے ہوئے سینیٹر رضا ربانی نے کہا ہے کہ گوکہ آئین آزادی اظہار وانجمن سازی اور دیگر بنیادی حقوق کا تحفظ کرتا ہے مگر حکومت نے منظّم طریقوں سے یہ حقوق سلب کرر کھے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ ایوب خان اور ضیاالحق کی آمریت کے دوران مجموعی حقوق کی فراہمی کے بنیادی طریقوں بشمول طلبہ کی آزادی رائے اور محنت کشوں کے حقوق کو ختم کردیا گیا تھا۔1988 میں محترمہ بےنظیر بھٹو نے طلبہ یونین کی سرگرمیاں بحال کرنے کی کوشش کی تھی مگر ڈکٹیٹرشپ کے تحت متاثر شدہ طلبہ یونینز کا ڈھانچہ حکومتوں کا یرغمال رہا ہے۔
سینیٹر ربانی نے اس حقیقت کو بھی آشکار کیا کہ جون 1992 میں طلباء یونینوں پر پابندی عائد کرنے والا عارضی عدالتی حکمنامہ' آرٹیکل 17 میں کھلی مداخلت' تھی، اور بعد میں محدود حد تک طلباء سرگرمیوں کی اجازت دینے والا مارچ 1993 کا عدالتی فیصلہ اِس ناقص سوچ پر مبنی تھا کہ طالبعلموں کو سیاسی معاملات میں دخل دینا زیب نہیں دیتا۔

سینیٹر ربانی نے مزید کہا کہ پاکستان میں طلباء یونینوں نے ایسے رہنماء پیدا کیے جنھوں نے سیاست میں مثالی کردار ادا کیا۔اِن کا کہنا تھا کہ جس طلباء تحریک کے دوران پاکستان میں اختلافِ رائے کو دبانے کے لیے طلباء رہنماؤں پر بغاوت کے مقدمے چلانا ریاست کا وطیرہ بن گیا تھا، اِسی تحریک سے متاثر ہوکر اِنہوں نے مجموعہ تعزیراتِ پاکستان سے دفعہ 124 الف ہٹانے کے لیے پارلیمان میں ایک مسودہ قانون پیش کیا۔اِن کا مزید کہنا تھا کہ یہ امر باعثِ شرمندگی ہے کہ بلوچستان میں طالبعلموں کو اُٹھا کر غائب کیا جا رہا ہے؛' پارلیمان نے اس معاملے کو اٹھایا تھا، مگر بالآخر نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ گہری ریاست (Deep State) اِس مسئلے پر کان دھرنے کو تیار نہیں۔
ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر ایک ذہین خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ عوام کو اکٹھا کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔عاصمہ جہانگیر کا خلاء کوئی پورا نہیں کرسکتا لیکن ہم سب کو مل کر اس کی کوشش کرنی چاہیئے۔انہوں نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر کا پیغام کبھی بھی مایوسی کا نہ تھا۔وہ ہمیشہ ڈٹ کر چیلنجز کا مقابلہ کرتی تھیں۔انسانی حقوق کمیشن قائم کرنے کا خیال مرحوم اقبال حیدر کا تھا، لیکن عاصمہ نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔اب یہ انسانی حقوق کے کارکنان کی ذمہ داری ہے کہ وہ عاصمہ کے مشن کو زندہ رکھیں۔حنا جیلانی نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر نے کہا تھا کہ ہمیں خاموش کرایا جا رہا ہے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف متحرک ہونے کا ہمارا حق چھینا جا رہا ہے۔انہوں نے کہا تھا ہم راستے میں بہت سے دوست اور اتحادی کھو چکے ہیں، لیکن انسانی حقوق کے محافظ ہونے کی حیثیت سے ہم ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ایچ آر سی پی کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمان نے کہا کہ طلباء یونینوں کا معاملہ صرف طالبعلموں تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ ایک قومی معاملہ ہے جس کی ذمہ داری تمام شہریوں کو لینا پڑے گی۔اِس اہم موضوع پر اظہارِ خیال کرنے پر سینیٹر ربانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے کہا

ٹاؤن کمیٹیوں کے خاتمے سے مسائل میں اضافہ ہوگا

میانوالی تین فروری کو پنجاب حکومت کی سفارش پر گورنر پنجاب نے لوکل گورنمنٹ میں تبدیلی کا آرڈنیس جاری کرکے چون ٹاون کمیٹیوں کو ختم کردیا، جس سے میانوالی کی آٹھ ٹاون کمیٹاں بھی متاثر ہوئی ہیں جن میں کالاباغ، کمرمشانی، داودخیل، پکی شاہ مردان، موچھ، سوانس، چکڑالہ اور واں بھچراں شامل ہیں۔ٹاون کمیٹی کالاباغ انیس سوسڑسٹھ میں داودخیل ٹاون کمیٹی انیس سوتراسی میں جبکہ ٹاون کمیٹی کمرمشانی انیس سو پچاسی میں بنی، پنجاب کی سابقہ حکومت نے دوہزار پندرہ میں کالاباغ کمرمشانی اور داودخیل کو میونسپل کمیٹی کا درجہ دیا تھا، موجودہ حکومت نے دوہزارانیس میں ان تین میونسپل کمیٹو ں کو پہلے درجہ کم کرکے دوبارہ ٹاون کمیٹی بنادیا اور اب تین فروری دوہزاراکیس کو ٹاون کمیٹی کا درجہ کم کرکے یونین کونسل لیول پرلے آئی ہے۔یادرہے کہ ٹاون کمیٹی براہ راست کمشنر کے زیرانتظام ہوتی ہے، جس سے سالانہ فنڈ سے ترقیاتی کاموں میں مدد ملتی ہے۔ساتھ ہی ٹاون کمیٹی کو مقامی تاجران اور چھوٹی صنعتوں سے ٹیکس اکٹھا کرنے کا اختیار ہوتا ہے جس سے نالیوں اور گالیوں کی صفائی مرمت وغیرہ کے علاوہ اسٹریٹ لائٹ، واٹر سپلائی، نقشہ نویسی اور عوام کے آپسی اختلاف کے خاتمہ کیلیے انجمن مصالحت سے بھی مدد ملتی ہے۔ٹاؤن کمیٹیوں کے خاتمے سے عوام کے مسائل میں مزید اضافہ ہوگا۔

(محمد رفیق میانوالی)

صحافی پر تشدد، سنگین نتائج کی دھمکیاں

چارسدہ 18 فروری کو چارسدہ میں مسلح افراد نے دن دیہاڑے سینئر صحافی سیف اللہ جان کو سرڈھیری بازار سے اٹھا کر سرِعام بازار میں گھسیٹا اور تشدد کے بعد دفتر میں بند کرکے غیر اخلاقی ویڈیو بنائی۔ملزمان کے خلاف تھانہ سرڈھیری میں ایف آئی آر درج کروائی گئی۔ پولیس نے فوری کاروائی کرتے ہوئے پانچ ملزمان کو گرفتار کرلیا۔تفصیلات کے مطابق چارسدہ کے سینئر صحافی سیف اللہ جان کو سرڈھیری میں مسلح ملزمان عبداللہ، افتخارم فہیم پسران زید اللہ، سعادت، شیر علی پسران نامعلوم اور دیگر متعدد نامعلوم مسلح افراد نے سرڈھیری چوک سے دن دیہاڑے زبردستی اٹھا کر سڑک پر گھسیٹتے ہوئے مقامی دفتر لے جا کر کمرے میں بند کردیا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔

آٹھ سالہ بچی سے زیادتی کی کوشش

ڈیرہ اسماعیل خان 18 فروری 2021ء کو ڈیرہ میں ایک 8 سالہ بچی سے زیادتی کی کوشش۔بچی کے شور پر اہلیان علاقہ نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیا۔پولیس نے بچی کے والد کی رپورٹ پر ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرکے اسے حوالات میں بند کردیا۔

(روزنامہ آج)

2021 موت سے لڑنے کا سال

زاہدہ حنا

زمانہ زن زن کرتا گزر گیا۔

2020 ساری دنیا کے آلام کا پشتارہ اٹھائے فنا کے سمندر میں اتر گیا۔

ہم جو ہر برس کے گزرنے کی بات کرتے تھے اور نئے سال کی آمد کی خوشیاں مناتے تھے، اس برس ہم میں سے اکثر سر جھکائے سوچتے رہے کسی نے لکھا کہ

نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

اور کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ 2020 جیسا بھی کوئی سال آئے گا جو صرف ہمیں ہی نہیں ساری دنیا کو تہس نہس کرے گا۔

اب سے پہلے کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی بیماری بھی آئے گی جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور جس کے سامنے نیو یارک شہر کی بلندیاں اور نیو گولی مار کی پستیاں ایک ہو جائیں گی۔ وہی عالم ہو گا کہ تری سرکار میں پہنچے تو سب ہی ایک ہوئے۔ نظر نہ آنے والا ایک جرثومہ ارب پتی اور کنگال کو ایک جیسی اذیت دے گا۔

اس جرثومے اور اس سے پھیلنے والی مہلک بیماری پر گزشتہ برس میں نے بہت سے کالم لکھے۔ انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ سوشل ریسرچ نے ان میں سے 28 کالم اکٹھا کیے اور ڈاکٹر جعفر احمد نے اسے کتابی شکل میں شایع کر دیا۔

زیادہ پرانی نہیں اپریل 2020 کی بات ہے جب میں نے لکھا تھا کہ "ایک مشہور امریکی مورخ مائیک ڈیوس کا خیال ہے کہ ایک قطعی طور پر عقلی (Rational) دنیا میں آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ایک عالمی وبا زیادہ بین الاقوامیت کی راہ ہموار کرے گی۔ اس مورخ کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت جو اپنے منافع سے آگے نہیں دیکھتی ہے۔ اس لیے سماج کے کمزور طبقات کو زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آج کی دنیا کو اس بات کی ضرورت ہے کہ زیادہ مقدار میں ٹیسٹ کٹس، ماسک اور وینٹی لیٹر کی پیداوار میں نہ صرف اپنے ملک بلکہ زیادہ غریب ملکوں کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے غیر معمولی اضافہ کیا جائے، ایسا کرنا اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ دنیا کے تمام ملک ایک ہی بوتل کے اندر بند ہیں۔ الگ الگ رہ کر اس وبا پر قابو پانا ممکن نہیں ہے۔

دنیا کے محققین کورونا وائرس اور اس کے تباہ کن اثرات کے مطالعے میں مصروف ہیں۔ اس حوالے سے دنیا میں کافی کام ہو رہا ہے۔ سب سے خوش آیند بات یہ ہے کہ آج کی دنیا زیادہ بہتر انداز میں اس عالمی وبا کا مقابلہ کر رہی ہے۔ کسی بھی عالمی وبا کی طرح کورونا وبا بھی سماجی، نفسیاتی، سیاسی اور معاشی حوالوں سے منفی اور مثبت دونوں اثرات مرتب کر رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا کی ہر حکومت اور دنیا کا ہر شہری اس مشکل گھڑی میں اپنے حواس پر قابو رکھے، خوف زدہ نہ ہو اور تاریخ کی اس حقیقت کو سمجھ لے کہ ہر عالمی وبا کے بعد انسان نے بہتر سبق سیکھا ہے۔ امید نہیں یقین رکھنا چاہیے کہ انسان اس بحران پر بھی قابو پالے گا اور اپنے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ مالی وسائل اور توانائیاں صرف کرے گا۔

اب سے پہلے کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی بیماری بھی آئے گی جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور جس کے سامنے نیو یارک شہر کی بلندیاں اور نیو گولی مار کی پستیاں ایک ہو جائیں گی۔ وہی عالم ہو گا کہ تری سرکار میں پہنچے تو سب ہی ایک ہوئے۔ نظر نہ آنے والا ایک جرثومہ ارب پتی اور کنگال کو ایک جیسی اذیت دے گا۔

ان چند مہینوں کے دوران متعدد ملکوں کے سائنس دانوں نے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر کے اس جرثومے سے حفاظت کی ویکسین تیار کی ہے اور اب شنید ہے کہ وہ ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچے گی۔ یہ خبر بھی آئی ہے کہ کراچی کا ایکسپو سینٹر، ویکسین سینٹر میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

دنیا بھر میں آج سے نہیں سیکڑوں اور ہزاروں برس سے آفت ارضی وسماوی پھیلتی رہی ہیں۔ وبائیں آتی رہی ہیں اور لاکھوں کو لقمہ اجل بناتی رہی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے جو پڑھے لکھے تھے انھوں نے شعر و ادب سے جی لگایا۔ اس دور میں کتابوں کی اشاعت زور شور سے نہیں ہوتی تھی اس لیے ایسے زمانے میں پڑھے لکھے لوگوں نے کچھ اپنی اور کچھ دوسروں سے سنی سنائی کہانیاں سنائیں۔ یہ داستان گو اسی طرح اپنا روزینہ کماتے تھے ان میں سے بہت سے ایسے تھے جنھوں نے اس زمانے میں بھی شہرت کمائی اور جب وہاں سے اٹھے تو داد سمیٹی اور اس کے ساتھ ہی ان کی جیب میں چاندی اور سونے کے سکوں میں اضافہ ہوا۔

بیسویں صدی میں اٹلی دوسری جنگ عظیم میں کود پڑا اور

اس کے آمر مطلق مسولینی نے جرمن نازی لیڈر ایڈولف ہٹلر کی پیروی کرتے ہوئے اٹلی کو بھی دوسری جنگ عظیم کے جہنم میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد اٹلی پر جو کچھ گزری ہم سب کو معلوم ہے۔ اب اس وقت کورونا وائرس اٹلی اور اسپین پر ٹوٹ پڑا ہے۔ کسی دن ہلاک شدگان کی تعداد اٹلی میں بڑھ جاتی ہے اور کسی روز اسپین میں جان سے جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ایک نازک وقت ہے۔

پوری دنیا اپنے اپنے عذاب جھیل رہی ہے اور کورونا وائرس کی دہشت نے انھیں نیم مردہ کر رکھا ہے۔ وہ لوگ جو اس ہلاکت خیز وبا سے بے حد وحساب دہلے ہوئے ہیں، ان میں سے وہ جو دانشور ہیں، ادیب ہیں اور سائنسدان ہیں۔ جن کا کہنا ہے کہ اگر ہم نے اس بات کا خیال نہیں رکھا کہ اٹلی جیسے ملک میں ادیبوں نے سات یا ساڑھے سات سو برس پہلے اس سانحے کو کس طور لکھا تھا تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ عرفان صدیقی نے اس عالم کو کس دل دوز انداز میں رقم کیا ہے۔ ان کے چند اشعار آپ کی نذر ہیں۔

مطمئن تھے لوگ شاید انتہا ہونے کو ہے
اب خبر آئی ابھی تو ابتدا ہونے کو ہے
ڈوبتی جاتی ہیں نبضیں، ٹوٹتی جاتی ہے سانس
اس کا کہنا ہے نہ گھبراؤ شفا ہونے کو ہے
فاصلوں اور قید تنہائی تلک تو آ گئے
جانے کیا کچھ اور بھی نذر وبا ہونے کو ہے
ایک سناٹا مسلسل ڈس رہا ہے شہر کو
ایسے لگتا ہے کہ کوئی حادثہ ہونے کو ہے

سچ تو یہ ہے کہ 2020 میں دنیا بھر کے شہروں کو موت نے ڈس لیا اور جو حادثہ ہونا تھا وہ ہو چکا، 2021 موت سے لڑنے کا سال ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس امتحان میں کتنے ملک اور کتنی قومیں سرخرو ہوتی ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

شمالی وزیرستان میں مقامی خواتین کو ہنر سکھانے والی چار خواتین قتل

پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا میں ضم ہونے والے قبائلی ضلع شمالی وزیرستان میں پیر کی صبح چار خواتین کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ چاروں خواتین ایک غیر سرکاری تنظیم کے 'وومن امپاورمینٹ' منصوبے کے لیے کام کر رہی تھیں اور دو روز بعد یہ کورس مکمل ہو جانا تھا۔

ہلاک ہونے والی خواتین کا تعلق انتہائی غریب گھرانوں سے بتایا گیا ہے۔ ان خواتین کو دہاڑی پر تعینات کیا گیا تھا اور انھیں ایک ہزار روپے یومیہ اجرت دی جاتی تھی، جبکہ ایک مہینے میں صرف 16 دن کام کرنا ہوتا تھا۔ اس تین مہینے کے پراجیکٹ نے دو روز بعد مکمل ہونا تھا۔

واقعہ کیسے پیش آیا؟

پولیس کے مطابق پیر کی صبح ایک غیر سرکاری تنظیم سے وابستہ پانچ خواتین ایک گاڑی میں بنوں سے قبائلی علاقے میر علی اپنے روزگار کے سلسلے میں جا رہی تھیں۔ ان خواتین میں ناہید بی بی، ارشاد بی بی، عائشہ بی بی، جویریہ بی بی اور مریم بی بی شامل تھیں۔ گاڑی کا ڈرائیور عبدالخالق ان خواتین کو میر علی لے جا رہا تھا۔ پولیس رپورٹ کے مطابق مریم بی بی گاڑی سے اتر کر اپنے مرکز کے اندر داخل ہو گئی تھیں جبکہ باقی خواتین اور ڈرائیور گاڑی میں موجود تھے۔ اس دوران نامعلوم افراد نے گاڑی پر فائرنگ شروع کر دی جس سے ناہید بی بی، ارشاد بی بی، جویریہ بی بی اور عائشہ موقع پر ہلاک ہو گئیں جبکہ ڈرائیور اس حملے میں زخمی ہو گیا ہے۔ یہ واقعہ تحصیل میر علی کے گاؤں اپی کے قریب پیر کی صبح ساڑھے نو بجے پیش آیا ہے۔ زخمی ڈرائیور اور میتوں کو تحصیل ہسپتال میر علی لے جایا گیا ہے۔

یہ خواتین کون تھیں؟

شمالی وزیرستان کی سرحد خیبر پختونخوا کے جنوبی ضلع بنوں سے ملتی ہے۔ یہ پانچوں خواتین میر علی تک کا ڈیڑھ سے دو گھنٹے کا سفر کر کے تربیتی مراکز پہنچتی تھیں۔

مقامی لوگوں نے بتایا ہے کہ ان پانچوں خواتین کا تعلق انتہائی غریب گھرانوں سے تھا اور ان کی ماہانہ تنخواہ سولہ ہزار روپے تک بتائی گئی ہے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ ان خواتین میں ارشاد بی بی اور عائشہ سگی بہنیں تھیں اور دونوں شادی شدہ تھیں، ناہید بی بی بھی شادی شدہ تھیں جبکہ جویریہ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ شادی شدہ تینوں خواتین کی ایک ایک بیٹی تھی جبکہ ان کے شوہروں کا کوئی باقاعدہ روزگار نہیں ہے۔

مقامی تنظیم سے وابستہ عہدیدار اور سماجی کارکن ولی داد نے بی بی سی کو بتایا کہ یہ منصوبہ جب شروع ہوا تھا تو ان سے باروو کالج کے عہدیداروں نے کہا تھا کہ انھیں ایسی ڈپلومہ

ہولڈر خواتین چاہییں جو قبائلی علاقے میں خواتین کو بنیادی تربیت فراہم کر سکیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس کے لیے انھوں نے مقامی سطح پر قائم ووکیشنل سینٹر کی پرنسپل سے رابطہ کیا اور ان خواتین کو سباؤن کے دفتر میں انٹرویو کے بعد منتخب کیا گیا۔ انھیں ایک ہزار روپے یومیہ پر تعینات کیا گیا تھا اور ہفتے میں چار دن جانا ہوتا تھا۔ یہ تین ماہ کا کورس تھا جس میں قبائلی علاقوں میں مقامی خواتین کو سلائی کڑھائی، دستکاری اور بیوٹیشن کی تربیت دی جاتی تھی اور یہ کورس 24 فروری کو مکمل ہونا تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ غریب خواتین تھیں اور اس کمائی سے ان کے گھر کا چولہا جلتا تھا۔ اس منصوبے کے تحت میر علی میں مختلف مقامات میں گھروں میں یہ تربیت فراہم کی جاتی تھی جہاں خواتین اکٹھی ہوتیں اور انھیں بنوں سے میر علی جانے والی یہ خواتین تربیت فراہم کرتی تھیں۔

یہ خواتین کس غیر سرکاری تنظیم سے وابستہ تھیں

یہاں اب تک یہ واضح نہیں ہے کہ یہ خواتین کس غیر سرکاری تنظیم سے وابستہ تھیں۔ پولیس کی جانب سے فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق یہ خواتین سباؤن نامی تنظیم سے وابستہ تھیں۔ جبکہ تنظیم نے اس بارے میں بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان خواتین کا ان کی تنظیم سباؤن سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس غیر سرکاری تنظیم نے اس واقعے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ شمالی وزیرستان میں میر علی کے علاقے میں براوو کالج کی خواتین اہلکاروں کی ہلاکت پر افسوس ہے اور لواحقین کے ساتھ غم کی اس گھڑی میں وہ برابر کے شریک ہیں۔ اس بارے میں سباؤن تنظیم کے فوکل پرسن ذوالقرنین نے بتایا کہ یہ افسوس ناک واقعہ ہے لیکن یہ خواتین ان کی تنظیم میں ملازمت نہیں کرتی تھیں۔ ان سے جب کہا گیا کہ کیا مقامی سطح پر ان کا 'وومن امپاورمینٹ' کا منصوبہ جاری ہے، تو ان کا کہنا تھا ان کا اس منصوبے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وزیرستان میں سکیورٹی صورتحال

شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان میں کچھ عرصے سے تشدد کے واقعات میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے جس میں ٹارگٹ کلنگ کے واقعات اور سکیورٹی فورسز پر حملے شامل ہیں۔ ان حملوں میں متعدد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔

میر علی میں خواتین کی ہلاکت کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل بابر افتخار کا کہنا تھا کہ قبائلی اضلاع میں دہشتگردوں کا خاتمہ ہو چکا ہے مگر حالات کو نارمل ہونے میں وقت لگے گا۔ ان کا کہنا تھا 'ہر کیس کو دہشت گردی کے واقعے کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے، یہ لا اینڈ آرڈر کے کیس ہیں۔ یہ قبائلی اضلاع ہیں جن کا اپنا کلچر ہے اور انھیں ضم ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ ہمیں معاملات کو کسی مخصوص واقعے کی بنیاد پر نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہم پولیس اور لیویز کی ٹریننگ کر رہے ہیں اور جب یہ تھانوں میں جائیں گے تو حالات بہتر ہوں گے۔'

این جی اوز کے لیے کتنی تشویشناک صورتحال ہے

شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن ضرب عضب جو سال 2014 میں شروع کیا گیا تھا اور پھر سال 2018 میں اسے مکمل کر کے علاقے سے نقل مکانی کرنے والے افراد کو واپس اپنے گھروں کو بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سال 2019 میں قبائلی علاقوں کو صوبہ خیبر پختونخوا میں ضم کر دیا گیا تھا۔

اس ساری صورتحال کے بعد علاقے میں ایک عرصے تک صورتحال بہتر رہی اور یہاں تک کہ سکیورٹی ناکے بھی کم کر دیے گئے اور یہ بھی کہا گیا کہ قومی شناختی کارڈ پر اب لوگ شمالی وزیرستان جا سکتے ہیں۔ اس قبائلی ضلع میں بڑھتے ہوئے تشدد کے واقعات کی وجہ سے لوگوں میں تشویش پائی جاتی ہے۔

ایسے حالات میں ان غیر سرکاری تنظیموں یا امدادی اداروں کے لیے ان علاقوں میں جانا اور کام کرنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس بارے میں سماجی کارکن ناہید آفریدی نے بی بی سی کو بتایا کہ یہ کوئی پہلا حملہ نہیں ہے، جس میں خواتین کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس سے پہلے ضلع خیبر میں فریدہ آفریدی کو نشانہ بنایا گیا تھا، اسی طرح ایک استانی کو بھی خیبر ضلع کے علاقے شاکس میں قتل کیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ انضمام کے بعد ان کی توقعات پوری نہیں ہوئیں اور حالات 'بہت خراب ہو چکے ہیں اس لیے اب خواتین ان علاقوں میں کام نہیں کرتیں اور اگر کوئی جاتا ہے تو وہ انتہائی خطرناک صورتحال کا سامنا کرتا ہے۔' ناہید آفریدی نے کہا کہ 'اس طرح کے رویوں کی روک تھام ہونی چاہیے ورنہ اس انضمام کے لیے انھوں نے کوششیں کی تھیں اس سے وہ نتائج نہیں مل رہے جس کی انھیں خواہش تھی۔'

(بشکریہ بی بی سی اردو)

ذہنی بیماری اور جسمانی معذوریاں

تعارف

ذہنی طور پر بیمار افراد معاشرے کے غیر محفوظ ترین گروہوں میں سے ایک ہیں، اس کے باوجود ان کے غیر محفوظ ہونے کی حالت کو شاذ ونادر ہی تسلیم کیا جاتا ہے یا انہیں فوجداری نظام میں مناسب تحفظ فراہم نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس، ذہنی بیماری کا شکار افراد اکثر 'پیدائشی طور پر خطرناک'[1] تصور کیے جاتے ہیں اور انہیں ظالمانہ اور غیر معمولی سزا، بشمول سزائے موت کا مسلسل سامنا رہتا ہے جس ملکی اور بین الاقوامی قانون کے تحت سخت ممانعت ہے۔

تشویش ناک بات یہ ہے کہ پاکستان میں پانچ کروڑ افراد ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔[2] تاہم، 'ذہنی صحت کے علاج اور فوجداری نظام نیز عمومی طور پر پاکستان میں اس حوالے سے تربیت کے فقدان کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے افراد میں کبھی بھی اس مرض کی تشخیص تک نہیں ہو پائے گی۔[3] 'پاکستان کے وسائل کی کمی کے شکار اور حد سے زیادہ وسیع فوجداری نظام انصاف کے ڈھانچہ جاتی اور انتظامی مسائل کے باعث صورتحال اور بھی سنگین ہوجاتی ہے۔[4] نتیجے کے طور پر، فوجداری نظام انصاف میں حائل چیلنجز، اقبال جرم کے لیے تشدد کا بڑے پیمانے پر استعمال، اور قابل وکیل تک رسائی کی کمی کا سب سے زیادہ اثر پاکستان کے غیر محفوظ ترین طبقات پر پڑتا ہے[5]۔

فوجداری نظام انصاف میں ذہنی بیماری پر بھی توجہ دینا ہوگی کیونکہ اس کا براہ راست تعلق سزاواری اور سزایابی سے ہے اور یہ قانونی عمل میں مؤثر شرکت میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ ذہنی طور پر بیمار افراد ضروری 'اخلاقی سزاواری' یا سزا کی نیت سے محروم ہوسکتے ہیں، اور یوں ان کی اپنے اعمال کے نتائج کو سمجھنے کی قابلیت کم یا ختم بھی ہوسکتی ہے[6]۔ وہ جھوٹے اقرار جرم کرنے کے شدید خطرے سے بھی دوچار ہوتے ہیں کیونکہ ان میں 'حقیقت کا صحیح طور پر ادراک کرنے' کی صلاحیت کم ہوتی ہے یا ہوتی ہی نہیں[7]۔

قانونی پیشہ ور ماہرین کی ذمہ داری اور مہارت کا دائرہ ذہنی بیماری کی تشخیص یا فلاحی خدمات کی فراہمی تک وسیع نہیں ہوتا، لیکن، وہ اس بات کو یقینی ضرور بناتے ہیں کہ غیر محفوظ مدعا علیان کے ساتھ منصفانہ اور ملکی قانون اور بین الاقوامی ذمہ داریوں کی مطابقت میں سلوک کیا جائے[8]۔ اس ذمہ داری کی انجام دہی کی ضرورت اس حقیقت کی روشنی میں انتہائی اہم ہوجاتی ہیکہ اس وقت پاکستان میں 33 فوجداری جرائم کی سزا موت ہے۔ ذہنی طور پر معذور مدعا علیان کے حقوق کو برقرار رکھنے میں ناکامی غیر محفوظ افراد کی پھانسی پر منتج ہوسکتی ہے اور ایسا ہوا بھی ہے۔

ذہنی بیماری کی تعریف

ذہنی بیماریاں فرد کے رویے، سوچ پر شدید اثرات مرتب کرسکتی ہیں اور یہ ان کی روزمرہ کے معمولات جیسے کہ کام کرنے کی صلاحیت اور تعلقات برقرار رکھنے کی قابلیت کو متاثر کرسکتی ہیں۔[9] ذہنی بیماریاں طویل عرصے تک وقوع پذیر ہوسکتی ہیں اور یہ فرد کی زندگی پر شدید اور معذوری کا باعث بننے والے اثرات مرتب کرتی ہیں[10]۔

ذہنی بیماری سے مراد ایسی تمام ذہنی خرابیاں ہیں جنہیں اکثر دماغ کی فعالیت میں خلل سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ایک وسوسہ ہوسکتا ہے جس سے کسی شخص کو یقین ہونے لگتا ہے کہ کوئی اس کے خاندان کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور انہیں اس خطرے کو دور کرنے کی ضرورت ہے یا پھر بچے کی پیدائش کے بعد پیدا ہونے والے ذہنی تناؤ کا شکار ماں کو ایسا لگنے لگتا ہے اسے خود کو اور اپنے نومولود بچے کو مارنا ہوگا تا کہ انہیں اس آفت سے محفوظ رکھا جاسکے جس کا اس کے خیال میں انہیں سامنا ہوتا ہے۔

ایسی کسی واحد وجہ کی نشاندہی نہیں کی گئی جو ذہنی بیماری کے ارتقاء پر منتج ہوتی ہو۔ ذہنی بیماری مختلف اسباب بشمول جینیات، ماحولیات اور طرز زندگی جیسے عوامل کی وجہ سے وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔ اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ 'لوگ اپنی مرضی سے ذہنی بیماری کا شکار نہیں ہوتے' اور ذہنی بیماریوں پر 'قوت ارادی' کی مدد سے قابو نہیں پایا جاسکتا اور اس کا فرد کے 'کردار' یا 'ذہانت' سے کوئی تعلق نہیں ہوتا[11]۔

جب ذہنی بیماری کا شکار کسی فرد کو جرم کے ارتکاب کے بعد عدالت میں پیش کیا جاتا ہے تو یہ ثابت کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ آیا ان کے اقدامات میں ان کی ذہنی بیماری کا کوئی عمل دخل تھا یا نہیں، مثال کے طور پر، کیا انہوں نے ہذیان کے زیر اثر کسی کو نقصان پہنچایا تھا۔

اگر ایسا ہو تو یہ ثابت کرنا دانشمندی ہوگی کہ فرد کو اپنے اقدامات پر کتنا اختیار تھا۔

اس سے یہ رہنمائی ملے گی کہ آیا فرد کو علاج کے لیے کسی محفوظ ہسپتال میں داخل کرایا جائے یا پھر اس کے خلاف فوجداری نظام انصاف کے تحت کارروائی کی جائے۔ ایک اور متعلقہ مسئلہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ٹرائل کے وقت، کیا فرد اپنی ذہنی بیماری کے باعث درخواست دینے کے قابل ہے

1۔ امریکی بار ایسوسی ایشن، سزائے موت سے متعلق معین طریقہ کار کا جائزہ پراجیکٹ، 'شدید ذہنی بیماریاں اور سزائے موت'، (22 دسمبر، 2018)
http://www.americanbar.org/content/dam/aba/images/crsj/DPDPRP/SevereMentalIllnessandtheDeathPenalty_WhitePaper.pdf.

2۔ ڈان، 'پانچ کروڑ پاکستانی ذہنی بیماریوں کا شکار'، اکتوبر 2016، https://www.dawn.com/news/1288880.

3۔ جسٹس پراجیکٹ پاکستان اینڈ الارڈ کے۔ لوونسٹین، 'ایک سنگین ترین جرم، پاکستان کی جانب سے سزائے موت کا خلاف قانون استعمال'، (ستمبر، 2016). https://law.yale.edu/system/files/area/center/schell/2016_09_23_pub_dp_report.pdf.

4۔ ایضاً، (5) ایضاً، 3۔ (6 ایضاً، 2۔ (7 ایضاً، 34۔

8۔ جیل اصلاحات ٹرسٹ، 'فوجداری عدالتوں میں ذہنی صحت اور سیکھنے سے معذوری'، 6:(2018)

9۔ جیل اصلاحات ٹرسٹ، 'فوجداری عدالتوں میں ذہنی صحت اور سیکھنے سے معذوری'، 6:(2018)

10۔ ایضاً

11۔ یہ بھی دیکھیں: یو ایس اے: ذہنی بیمار مجرموں کی پھانسی، ایمنسٹی انٹرنیشنل (جنوری 2006)
https://www.amnesty.org/en/documents/ AMR51/003/2006/en/.

یا نہیں۔ چونکہ مذکور بالا عوامل کو ثابت کرنا ایک مشکل اور پیچیدہ عمل ہو سکتا ہے اس لیے عدالتوں کو تربیت یافتہ ذہنی صحت کے ماہرین کی معاونت حاصل ہونی چاہیے تا کہ ایک معقول نتیجے پر پہنچا جا سکے۔ عدالتوں کو پھانسی کی تاریخ سے پہلے سزائے موت کے منتظر قیدی کی ذہنی صحت کا بھی دوبارہ جائزہ لینا چاہیے۔ اگر ذہنی خرابی یا معذوری کی علامات موجود ہوں تو پھانسی کو روک دیا جائے اور قیدی کو ذہنی صحت کے مرکز منتقل کیا جائے۔

ذہنی خرابیوں کا تشخیصی و شماریاتی کتابچہ، پانچواں شمارہ (ڈی ایس ایم - وی)[12] ذہنی خرابیوں کی تعریف کچھ یوں کرتا ہے:

'ذہنی خرابی ایسی علامات کا مجموعہ ہے جس کی خاص بات ہے کہ اس سے فرد کے شعور، جذبات کی باضابطگی، یا رویے میں نمایاں طبی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جس سے نفسیاتی، حیاتیاتی یا ارتقائی عمل جو ذہنی فعالیت کی اساس ہیں، میں رکاوٹ کی عکاسی ہوتی ہے۔ ذہنی خرابیوں کا تعلق عام طور پر سماجی، پیشہ ورانہ اور دیگر اہم سرگرمیوں میں نمایاں تنگی سے ہوتا ہے۔ کسی عام تناؤ یا نقصان، جیسے کہ کسی عزیز کی موت پر متوقع یا ثقافتی طور پر تسلیم شدہ ردعمل ذہنی خرابی نہیں ہے۔ سماجی لحاظ سے متفرق رویہ (جیسے کہ سیاسی، مذہبی، یا جنسی) اور ایسے تنازعات جو بنیادی طور پر فرد اور معاشرے کے درمیان وقوع پذیر ہوتے ہیں، ذہنی خرابی نہیں ہے ماسوائے اس انحراف یا تنازعے کا سبب کسی فرد میں فعالیت کی کمی ہو، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔'

بیماری کی عالمی درجہ بندی، دسواں ایڈیشن (آئی سی ڈی-10)[13] کہتا ہے کہ:

'''خلل' درست اصطلاح نہیں ہے، لیکن اسے ان متعدد قابل شناخت علامات یا رویے کی موجودگی کو سمجھانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جن کا تعلق زیادہ تر واقعات میں پریشانی اور ذاتی افعال میں مداخلت سے ہوتا ہے۔ محض سماجی انحراف یا تنازعے کو، ذاتی غیر فعالیت کے بغیر، ذہنی خلل، جیسا کہ یہاں بیان کیا گیا ہے، میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے۔'

ذہنی صحت آرڈیننس 2001 کا سیکشن 2 (ایم)[14] ذہنی خلل یا معذوری کو یوں بیان کرتا ہے:

''ذہنی بیماری، بشمول دماغی خلل، شدید شخصیتی خلل، شدید ذہنی خلل، ذہنی خلل اور ذہن کی ایسی کوئی بھی خرابی یا معذوری'۔

یہ سیکشن ذہنی خلل کی بھی تعریف بیان کرتا ہے جو کچھ یوں ہے:

'ذہنی نشوونما میں رکاوٹ یا نامکمل نشوونما کی حالت (جو شدید خلل میں تبدیل نہ ہوئی ہو)، جس میں ذہانت اور سماجی فعالیت میں نمایاں خلل شامل ہے اور جس کا تعلق متعلقہ فرد کے غیر معمولی طور پر جارحانہ یا شدید غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سے ہے۔'

شدید شخصیتی خلل کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

''ذہنی نشوونما میں رکاوٹ یا نامکمل نشوونما کی حالت (چاہے اس میں ذہانت سے نمایاں محرومی شامل ہو یا نہیں) جس میں ذہانت اور سماجی فعالیت میں نمایاں خلل شامل ہے اور جس کا تعلق متعلقہ فرد کے غیر معمولی طور پر جارحانہ یا شدید غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سے ہے۔'

شدید دماغی خلل سے مراد ہے:

'ذہنی نشوونما میں رکاوٹ یا نامکمل نشوونما کی حالت جس میں ذہانت اور سماجی فعالیت سے نمایاں محرومی شامل ہے اور جس کا تعلق متعلقہ فرد کے غیر معمولی طور پر جارحانہ یا شدید غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سے ہے۔'

وہ مراحل جن میں مدعا علیہ کی ذہنی بیماری پر غور کیا جاتا ہے۔

ایسے تین مراحل کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں جج مدعا علیہ کی ذہنی بیماری پر غور وخوض کر سکتا ہے:

(i) ٹرائل کیے جانے کی اہلیت

جب ذہنی بیماری کا شکار کسی فرد کو جرم کے ارتکاب کے بعد عدالت میں پیش کیا جاتا ہے تو یہ ثابت کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ آیا ان کے اقدامات میں ان کی ذہنی بیماری کا کوئی عمل دخل تھا یا نہیں، مثال کے طور پر، کیا انہوں نے ہذیان کے زیر اثر کسی کو نقصان پہنچایا تھا۔ اگر ایسا ہو تو یہ ثابت کرنا دانشمندی ہوگی کہ فرد کو اپنے اقدامات پر کتنا اختیار تھا۔

اس سے اس بات کا تعین ہو جاتا ہے کہ آیا مدعا علیہ ٹرائل کے قابل ہے یا اسے علاج کے لیے کسی محفوظ ہسپتال بھیجا جائے۔

پولیس کی تحویل میں رات بسر کرنے کے دوران عدالت جانے کا خیال زیادہ تر افراد کے لیے پریشان کن ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے مشتعل ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس کا بذات خود نتیجہ چند ذہنی خرابیوں، جیسے کہ شدید پریشانی اور ذہنی تناؤ کے بڑھنے کی صورت میں نکل سکتا ہے، خاص کر غیر رسمی اور رسمی معاونت کی غیر موجودگی میں۔

ذہنی صحت کی حالت کی شناخت کرنا مشکل ہو سکتا ہے اور اسے اکثر 'پوشیدہ معذوری ' کہا جاتا ہے کیونکہ جسمانی معذوریوں کے برعکس، آپ ایسی بیماریوں کو دیکھ نہیں سکتے[15]۔

12۔ ذہنی خرابیوں کا تشخیصی و شماریاتی کتابچہ، پانچواں شمارہ (ڈی ایس ایم) ایک ایسا کتابچہ ہے جسے امریکا اور دنیا کے بیشتر نگہداشت صحت کے ماہرین ذہنی خرابیوں کی تشخیص کے لیے ایک مستند گائیڈ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ڈی ایس ایم ذہنی خرابیوں کی وضاحت، علامات اور اس کی تشخیص کے دیگر معیارات پر مشتمل ہے۔ یہ معالجین کے لیے ایک عام زبان مہیا کرتا ہے تا کہ وہ اپنے مریضوں کے بارے میں تبادلہ خیال کر سکیں، اور تشخیص کے ایسے یکساں اور معتبر معیارات تشکیل دیتا ہے جنہیں ذہنی خرابیوں کی تحقیق میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ محققین کو بھی ایک عام زبان فراہم کرتا ہے تا کہ وہ مستقبل کی ممکنہ نظرثانیوں کے لیے مقررہ معیار کا مطالعہ کر سکیں اور معالجیا ور دیگر اقدامات کے فروغ میں مدد دے سکیں۔

دیکھیں:.https://www.psychiatry.org/psychiatrists/practice/dsm

13۔ آئی سی ڈی دنیا بھر میں صحت کے رجحانات اور اعداد وشمار کی بنیاد ہے۔ یہ بیماریوں اور صحت کی صورتحال کی تعریف اور رپورٹنگ کا ایک عالمی معیار ہے۔ اس سے دنیا کو یہ موقع ملتا ہے کہ ایک عام زبان استعمال کرتے ہوئے صحت سے متعلق معلومات کا موازنہ کیا جائے اور ان کی تشہیر کی جائے۔ یہ تمام طبی اور تحقیقی مقاصد کے لیے تشخیصی درجہ بندی کا معیار ہے۔ ان میں بیماریوں کے واقعات اور پھیلاؤ کی نگرانی، بازادائیگیوں اور فنڈز کی تخصیص کے رجحانات کا مشاہدہ، اور تحفظ اور معیار سے متعلق رہنما اصولوں کا ریکارڈ رکھنا شامل ہے۔ یہ ڈی ایس ایم جیسا ہی ہے اور اسے ڈاکٹر اور نگہداشت صحت کے ماہرین بیماریوں اور نگہداشت صحت کے مسائل کی زمرہ بندی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

دیکھیے:.https://www.who.int/classifications/icd/en/bluebook.pdf

14۔ 20 فروری 2001 کو، پاکستان ذہنی صحت آرڈیننس 1912ء کے ذہنی عدم توازن ایکٹ کی تنسیخ کے بعد نافذ ہوا۔ 2001ء کا آرڈیننس قانون میں نمایاں تبدیلیاں لایا ہے۔ ان تبدیلیوں کا تعلق ذہنی خلل کا شکار افراد کی نگہداشت وعلاج اور ان کی جائیداد کے انصرام اور دیگر متعلقہ معاملات سے ہے۔'، جیسا کہ آرڈیننس کے ابتدائیے میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔http://punjablaws.gov.pk/laws/430a.html پر دستیاب ہے۔

15۔ http://www.mhldcc.org.uk/contents/3-mental-health/d-how-to-recognise-when-a-defendant-might-have-a-mental-health-condition-film-clip.aspx.

ذہنی خلل سے متاثرہ افراد اس سے وابستہ داغ کے باعث دوسروں کو اپنی حالت کے بارے میں نہیں بتا پاتے یا پھر اس وجہ سے کہ وہ غریب پس منظر سے تعلق رکھنے کی بناء پر اس بیماری کا ادراک نہیں کر پاتے، کیونکہ ان میں کبھی بھی اس مرض کی تشخیص نہیں ہوئی ہوتی یا پھر انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔

پاکستانی قانون ذہنی بیماری میں مبتلا ٹرائل کا سامنا کرنے والے قیدیوں کو وسیع تحفظ فراہم کرتا ہے۔ مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء کے باب 34 (سیکشن 464-475) میں وہ پورا طریقہ کار موجود ہے جسے اس وقت اپنانے کی ضرورت ہے جب ٹرائل کا تعلق کسی 'جنونی' یا ذہنی معذور فرد سے ہو۔

پہلا، اور شاید سب سے اہم مرحلہ یہ ہے کہ ایسا قیدی جس کے فاتر العقل ہونے کا شبہ ہو، کا فوری طور پر طبی مشاہدہ کیا جائے۔ جب مقدمے کا ٹرائل شروع ہوگا تو اس بات کا مستند ثبوت موجود ہوگا کہ واقعے کے فوراً بعد ملزم کی ذہنی حالت کیا تھی[16]۔

اگرچہ مدعا علیہ کی ذہنی صحت سے متعلق معاملات اٹھانے کی ذمہ داری اصولی طور پر وکیل صفائی پر عائد ہوتی ہے، تاہم مجموعہ ضابطہ فوجداری کا باب 34 ججوں پر جانچ پڑتال کی ذمہ داری عائد کرتا ہے، اگر انہیں شبہ ہو کہ مدعا علیہ کسی دماغی خلل یا معذوری کا شکار ہے۔ اگر تحقیقات سے یہ ثابت ہو جائے کہ مدعا علیہ ذہنی طور پر بیمار ہے اور اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تو مقدمے کی کارروائی اس وقت تک ملتوی کر دی جائے جب تک مدعا علیہ استدعا کے لیے موزوں نہ سمجھا جائے۔ التواء کے دوران، عدالت کے پاس اس بات کے صوابدیدی اختیارات ہیں کہ وہ یا تو ضابطہ فوجداری کے سیکشن (1)466 کی مطابقت میں ضمانت کی منظوری دے یا پھر مدعا علیہ کو حفاظتی تحویل میں دے۔ عدالت کو اس حوالے سے صوبائی حکومت کو بھی مطلع کرنا ہوگا۔

چونکہ یہ ایک خصوصی استدعا ہے اس لیے بارِ ثبوت مدعا علیہ پر ہے، تاہم ٹرائل کے موقع پر وکیل صفائی کی جانب سے ذہنی خلل سے متعلق استدعا کرنے میں ناکامی کی صورت میں ملزم اس حق سے محروم نہیں ہو جاتا کہ اس کے ساتھ قانون کے مطابق برتاؤ کیا جائے۔ اس سیکشن کے تحت چونکہ یہ ایک خصوصی استدعا ہے اس لیے بارِ ثبوت مدعا علیہ پر ہے، تاہم ٹرائل کے موقع پر وکیل صفائی کی جانب سے ذہنی خلل سے متعلق استدعا کرنے میں ناکامی کی صورت میں ملزم اس حق سے محروم نہیں ہو جاتا کہ اس کے ساتھ قانون کے مطابق برتاؤ کیا جائے۔ اس سیکشن کے تحت ٹرائل کا مقصد مدعا علیہ کو قصوروار ثابت کرنا نہیں بلکہ اس بات کا تعین کرنا ہے کہ آیا مدعا علیہ ذہنی طور پر بیمار ہے۔

استغاثہ اور وکیل صفائی کو اپنے موقف کی حمایت میں نمایاں ثبوت کے مکمل موقعے سے وابستہ رہنا چاہئے[17]۔ اس سیکشن کے تحت احکامات پر نظرثانی ہو سکتی ہے[18]۔

عبدالواحد بنام ریاست میں سپریم کورٹ نے تصدیق کی کہ باب 34 کی دفعات واجب ہیں اور عدالت کو پابند کرتی ہیں کہ اگر 'اس کے پاس یہ یقین کرنے کی وجوہات ہوں کہ ملزم 'ذہنی طور پر بیمار' ہے اور اپنا دفاع کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اسے تحقیقات یا ٹرائل کا انعقاد کرنا چاہئے[19]۔ اگر عدالت کے پاس یہ یقین کرنے کا جواز موجود ہو کہ مدعا علیہ ذہنی مریض ہے تو اسے ملزم کی ذہنی بیماری کے حقائق جاننے کے لیے تحقیقات کا انعقاد کرنا چاہئے،[20] ضلعے کے کسی سول سرجن یا صوبائی حکومت کی جانب سے مقرر کردہ کسی میڈیکل افسر کی جانب سے ملزم کے معائنے کا حکم دینا چاہئے اور میڈیکل افسر سے بطور گواہ جرح کرنی چاہئے اور جانچ پڑتال کو تحریری طور پر ریکارڈ کرنا چاہئے۔ تاہم ایسی تحقیق میڈیکل افسر کی رپورٹ تک محدود نہیں چاہئے اور عدالت اپنے فیصلے پر پہنچنے کے لیے کئی قسم کے آزادانہ عوامل جیسے کہ نفسیاتی جائزے، سماجی تاریخ اور ذہنی صحت سے متعلق جیل ریکارڈ پر غور و خوض کر سکتی ہے۔ عدالت جیل سے میڈیکل ریکارڈز، نیز خاندان کے افراد اور برادری کے افراد کو بھی طلب کر سکتی ہے تا کہ مدعا علیہ کی ذہنی صحت کی تاریخ اور جینیاتی ترتیب سے متعلق معلومات حاصل کی جا سکیں۔ علاوہ ازیں، تحقیقات کے دوران ٹرائل کو ملتوی کر دیا جائے[21]۔ جب سیکشن 464 اور 465 کے تحت ٹرائل ملتوی ہو جائے تو مجسٹریٹ یا عدالت کسی بھی وقت تحقیقات اور ٹرائل دوبارہ شروع کر سکتے ہیں اور سیکشن 467 کے تحت مدعا علیہ سے تقاضہ کر سکتے ہیں کہ وہ حاضر ہو یا اسے مجسٹریٹ یا عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔

فریقین پر یہ واجب ہے کہ وہ ماہرانہ ثبوت پر انحصار کریں اور جہاں سماعت کی عدالت کا حکم ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کے برعکس ہو اور جہاں عدالت نے ڈاکٹر سے جرح نہ کی ہو وہاں یہ قرار دیا جائے کہ یہ حکم ضابطہ فوجداری کے سیکشن 464 اور 465 کے برعکس تھا لہٰذا اسے کالعدم قرار دیا جائے[22]۔

سراج الدین بنام افضل خان سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے سزا اور سزائے موت سے متعلق فیصلے کو منسوخ کرنے کے فیصلے کی توثیق کر دی اور ملزم کو مرحلہ وار معائنوں کے لیے ذہنی امراض کے ہسپتال بھیجنے اور اس کی صحتیابی پر دوبارہ ٹرائل کا حکم دیا[23]۔

اگر قیدی ٹرائل کے لیے ناقابل پایا جائے تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ اس کی وضاحت ضابطہ فوجداری کے سیکشن 466 نے کی ہے۔ سیکشن 466 عدالت کو اجازت دیتا ہے کہ اگر مدعا علیہ ذہنی طور پر بیمار پایا جائے تو وہ اسے ضمانت پر رہا کر دے یا حفاظتی تحویل میں دے دے۔

جہاں تک ضمانت کی منظوری کا تعلق ہے، اس بات کی خاطر خواہ ضمانت دی جائے کہ مدعا علیہ کی مناسب دیکھ بھال کی جائے گی اور اسے خود کو یا کسی اور شخص کو زخمی کرنے سے روکا جائے گا اور اس کی مجسٹریٹ یا عدالت یا کسی ایسے افسر کے سامنے حاضری یقینی بنائی جائے گی جسے مجسٹریٹ ضرورت کے وقت مقرر کرے۔

اظہر علی بنام ریاست میں عدالت نے کہا کہ ضمانت کے لیے بانڈ جمع کرائے جائیں؛ مدعا علیہ کی دیکھ بھال کی جائے؛ اسے خود کو یا کسی اور شخص کو زخمی کرنے سے روکا جائے اور اسے مجسٹریٹ یا کسی ایسے افسر کے سامنے پیش کیا جائے جسے مجسٹریٹ اپنی جگہ مقرر کرے[24]۔

متبادل صورت میں، عدالت یا مجسٹریٹ مدعا علیہ کو اس طرح سے حفاظتی تحویل میں رکھ سکتے ہیں جو ان کے خیال میں مناسب ہو۔ مجسٹریٹ کی عدالت کو صوبائی حکومت کو اس حوالے سے کیے گئے اقدامات کی اطلاع دینی چاہئے۔

(ii) دماغی خلل کی بناء پر بے گناہی

'دماغی خلل کی بناء پر بے گناہی' ایسا مکمل تحفظ ہے جو ذہنی بیماری سے متاثرہ شخص کو حاصل ہے۔ ضابطہ تعزیرات پاکستان کا سیکشن 84 تقاضہ کرتا ہے کہ ذہنی طور پر بیمار شخص کو فوجداری لحاظ سے کسی جرم کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ 'بیمار ذہن کا فعل: ایسا کوئی اقدام جرم نہیں جو کسی ایسے شخص نے انجام دیا ہو جو اسے انجام دیتے وقت، ذہنی بیماری کی بناء پر، اس اقدام کی نوعیت یا یہ سمجھنے سے قاصر ہو کہ وہ جو کر رہا ہے یا تو غلط یا پھر قانون کے خلاف ہے'۔

جرم کی نیت یا مجرم ذہن فوجداری جرم کا لازمی جز ہے[25]۔ جرم کی نیت مجرمیت کی بنیاد ہے جسے استغاثہ کو اس ثبوت کو ریکارڈ کا حصہ بناتے ہوئے ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ملزم جانتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ غیر قانونی تھا یا یہ کہ یہ کام بدنیتی سے اور گمراہ کن طریقے سے کیا گیا تھا[26]۔

16۔(اے آئی آر 1980 کیرالا 241 (ڈی بی)۔(17)۔1997 ایس سی ایم آر 239۔(18)۔All W.N. 47 1900 یہ بھی دیکھیں: 1997 ایس سی ایم آر 239

19۔[1994 ایس سی ایم آر 1574]۔20۔ایضاً۔ پی ایل ڈی 1980۔ پشاور 103 بھی ملاحظہ کریں۔21۔ ایضاً۔1997 ایس سی ایم آر 239 بھی ملاحظہ کریں۔

22۔پی ایل ڈی 1985 کراچی 549۔1997 ایس سی ایم آر 239 بھی ملاحظہ کریں۔23۔پی ایل ڈی 1997 ایس سی 847۔ یہ بھی دیکھیں: 1996 پی جی آر ایل جے 1366

24۔1992 پی سی آر ایل جے 2083۔25۔پی ایل ڈی 1967 ایس سی 1۔26۔2000 پی۔سی۔آر۔ایل۔جے 1105 (بی)

ضابطہ تعزیرات پاکستان کے تحت، تعبیری نہیں بلکہ حقیقی ارادہ درکار ہے[27]۔ جہاں نفسیاتی جائزہ 'قانونی دماغی خلل' کے دائرہ کار میں آتا ہو وہاں جرم کے ارتکاب میں مجرمانہ ذہنیت، کوئی ارادہ نہیں ہوسکتا۔

طبی مہارت یا کسی فرد کے ساتھ طویل المدت تعلق کے بغیر ذہنی صحت کی کچھ حالتوں کی تشخیص بہت مشکل ہوسکتی ہے۔ وکلاء اور عدلیہ کے پاس یہ دونوں چیزیں ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ ملزم کی ذہنی صحت کا جائزہ لیتے وقت طبی ماہرین کی رائے لی جائے۔ تاہم، یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ کچھ ذہنی صحت کے ماہرین بھی فارنسک نفسیاتی علاج کے تصورات سے واقف نہیں ہیں۔

قانونی ذہنی دماغی خلل کو ثابت کرنے کے لیے پی پی سی کے سیکشن 84 کی چار شرائط میں سے تین پر پورا اترنا ضروری ہے:

(الف) کسی جرم کا ارتکاب (دیگر الفاظ میں، اگر استغاثہ یہ ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ قیدی نے اس فعل کا ارتکاب کیا تو ذہنی صحت کا سوال ہی ختم ہوجاتا ہے—وہ بےقصور ہے)؛

(ب) فاترالعقلی (اسے طبی ذہنی بیماری کے وسیع تر تناظر میں پڑھا جانا چاہئے جیسا کہ ذہنی صحت کے آرڈیننس 2001ء میں بیان کیا گیا ہے)؛

(ج) فعل/ جرم کی نوعیت جاننے کے قابل نہ ہونا؛ یا

(د) صحیح اور غلط کے درمیان فرق (ایک مرتبہ پھر ایک تفریقی تصور – کیا وہ جانتا ہے کہ یہ فعل غلط یا قانون کے خلاف ہے؟)[28]۔

چنانچہ، ایسا فرد جو اپنے اقدام کی نوعیت سے واقف ہو، لیکن یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ یہ اقدام بذات خود غلط ہے، کو جرم کی ذمہ داری سے آزاد تصور کیا جاتا ہے۔ سمجھداری کو مجرمانہ ارادے کے ساتھ گڈ مڈ نہیں کیا جانا چاہئے جو مجرمانہ ذمہ داری کا ایک لازمی جز ہے[29]۔ مثال کے طور پر، کوئی فرد رضاکارانہ طور پر مخمور ہوسکتا ہے، لیکن اگر اس پر مخصوص (عمومی کے برعکس) مجرمانہ ارادہ ثابت نہیں ہوتا تو اسے جرم کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ یہ 'دفاع' نہیں بلکہ جرم کا ایک عنصر ہے جسے استغاثہ کو شک وشبہہ سے بالاتر ہوکر ثابت کرنا ہوتا ہے۔

(iii) قلیل ذمہ داری یا قلیل اہلیت

قلیل ذمہ داری یا قلیل اہلیت سے سزا میں تخفیف کرنے والے عوامل یا جرم سے جزوی تحفظ کے طور پر کام لیا جاسکتا ہے۔

موجودہ پاکستانی قانون کے تحت، مکمل فاترالعقلی معقول دفاع تصور کی جاتی ہے؛ ناقابل مزاحمت محرک یا قلیل ذمہ داری کو کم از کم ایک جزوی دفاع اور سزا میں کمی کا باعث بننے والے عنصر کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، جس کا انحصار مقدمے کے حقائق پر ہوتا ہے[30]۔

دی برٹش رائل کمیشن کی سزائے موت سے متعلق رپورٹ، 1953ء میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ 'ہندوستان اور پاکستان میں عدالت قلیل ذمہ داری کو سزائے موت کی بجائے عمر قید کی سزا دینے کے جواز کے طور پر زیرغور لاسکتی ہے[31]۔

'قلیل ذمہ داری' کے دفاع کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے '۔۔ حتیٰ کہ قتل کے الزام کا سامنا کرنے والا شخص فاترالعقل نہ بھی ہو تو پھر بھی ہمارا قانون اس بات کو تسلیم کرتا ہے۔۔۔۔ کہ، اگر وہ اس حد تک کسی قسم کی علالت یا دماغی خلل یا کم عقلی کا شکار تھا کہ اسے اس کے اعمال کا مکمل طور پر ذمہ دار نہ ٹھہرایا جاسکتا ہو، تو اس کے نتیجے میں، اس طرح کے مقدمے میں اس جرم کے معیار میں تخفیف کرکے اسے قتل سے قابل گرفت قتل میں تبدیل کردیا جائے گا۔'[32]

سزائے موت کا کوئی بھی منصوبہ خودکار موت کی سزا عائد نہیں کرتا؛ سزا کو 'بنی نوع انسان کی مختلف النوع اخلاقی کمزوریوں' کو مدنظر رکھنا چاہئے۔[33] قانون واضح طور پر سزا میں کمی کا باعث بننے والے حالات کی وسیع اقسام متعارف کرائے جانے کی اجازت دیتا ہے، تاکہ عدالتوں کو کم سزائیں دینے کی ترغیب دی جاسکے۔ عدالت کم سزا دینے میں اس وقت حق بجانب ہوگی جب یہ سزا کو کم کرنے والے حالات کی موجودگی سے مطمئن ہو۔[34]

ذہنی معذوری کا مطلب ہیکہ سیکھنے، سمجھنے، معلومات کی تشریح، اور مسئلے کے حل میں مشکل پیش آنا۔ یہ کوئی بیماری نہیں بلکہ ایک ایسی حالت ہے جو عام طور پر پیدائش سے موجود ہوتی ہے۔ ذہنی بیماری جذبات، مزاج، تصورات، اور رویے کو متاثر کرتی ہے۔ یہ کسی پر بھی اثرانداز ہوسکتی ہے اور کسی بھی عمر میں ظاہر ہوسکتی ہے۔ یہ ایک عارضی حالت بھی ہوسکتی ہے اور ساری عمر بھی وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔ ذہنی بیماری کا علاج ادویات اور نفسیاتی معاونت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

ذہنی معذوری اور ذہنی بیماری دونوں ہی جرم کی نیت، جو جرم کا ذہنی عنصر ہوتا ہے، پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوسکتا ہیکہ کوئی فرد اپنے اعمال کا مجرمانہ طور پر کم ذمہ دار ہوسکتا ہے کیونکہ یا تو اس کا جرم کا ارادہ نہیں تھا یا پھر وہ اپنے رویے کو قانون کے مطابق بنانے کے قابل نہیں تھا۔ ان کی دماغی کمزوری کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کے اثرات کو پر معنی طور پر سراہ نہیں سکتے، نہ ہی وہ مخصوص مجرمانہ اقدامات کے وقوع پذیر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کسی بچے کی طرح، وہ مجرمانہ طور پر کم ذمہ دار ہیں اور انہیں کم سزا دی جانی چاہئے۔

قلیل ذمہ داری کے حوالے سے، عمر اور ذہنی کمزوری میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ جہاں دو ملزم ہوں، وہاں عمر میں چھوٹے ملزم کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے عمر میں خود سے بڑے ملزم کے زیراثر کوئی اقدام کیا ہو۔

اگر یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ نوعمر فرد، ملزم کو بیرونی اثر سے غیر محفوظ بناتے ہوئے ذمہ داری میں تخفیف کردیتا ہے تو پھر اسی وجہ سے ذہنی کمزوری کو بھی سزا میں کمی کرنے والے عنصر کے طور پر سمجھنا چاہئے۔

ملکی اور بین الاقوامی قوانین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فوجداری نظام انصاف میں، ذہنی کمزوری کا شکار افراد دوسروں کی نسبت زیادہ غیر محفوظ اور جرم کے کم ذمہ دار ہیں۔

27۔ 1995 پی۔سی۔آر۔ایل۔جے 1807 (بی)

28۔ مہربان بنام ریاست (پی ایل ڈی 2002 ایس سی 92)۔

29۔ (پی ایل ڈی 1967 ایس سی 1)۔

30۔ پی ایل ڈی جریدہ 201)

31۔ فرینکوئس لیریو، قلیل ذمہ داری سے متعلق منتخب کتابیات، 66 (2003) پر، برطانیہ میں رائل کمیشن برائے سزائے موت کی رپورٹ کا حوالہ، 1963-1949، 413، پیرا 13۔

32۔ آر بنام بریتھ ویٹ، 1945ء، جے۔سی 55

33۔ وُڈسن بنام شمالی کیرولینا، 428 ,304 ,280 .U.S (1976) (نوع انسانی کی کسی بھی قسم کی مختلف النوع اخلاقی کمزوریاں سزا کو کم کرنے والے عوامل پیدا کرتی ہیں جنہیں سزا کا فیصلہ کرتے وقت قانونی طور پر ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہئے)؛ لاکٹ بنام اوہائیو، 586438 .U.S (1978) سزا کے وقت 'مدعا علیہ کے کردار یا ریکارڈ کے ایسے کسی بھی پہلو کو مدنظر رکھا جائے۔۔۔ جنہیں مدعا علیہ موت سے کم سزا کی بنیاد کے طور پر ترجیح دیتا ہو'۔

34۔ (پی ایل ڈی ایس سی 109)

35۔ Footnote missing

وہ زیادہ غیر محفوظ ہیں کیونکہ ان سے جھوٹا اقبال جرم کرائے جانے کا زیادہ امکان ہے، اس کے ساتھی مدعا علیان جھوٹے دلائل پیش کر کے اس پر گروہ کا سرغنہ ہونے کا جھوٹا الزام عائد کرسکتے ہیں، وہ اپنے دفاع کے حوالے سے اپنے وکیل کی زیادہ معاونت نہیں کرسکتے، اپنے لیے ناقص شہادتیں پیش کرسکتے ہیں، ندامت کا اظہار کرنے کے قابل نہیں ہوسکتے، جس سے انہیں سخت سزا دیے جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، وہ ناجائز سزا کے خصوصی خطرے سے دوچار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی معذوری 'خطرناک' سمجھی جاسکتی ہے۔ عین اسی وقت، وہ اصل سے کم مجرم ہیں کیونکہ وہ اپنے اقدامات کے نتائج کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اپنے رویے پر قابو پانے کے قابل نہیں ہیں، سزا کی دھمکیاں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوسکتیں اور ممکن ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی کام کر جائیں اور کسی مجرمانہ سرگرمی کا ارتکاب کرلیں۔

ماہرانہ نفسیاتی صحت کے جائزے کے بغیر اس بات کا تعین کرنا ناممکن ہے کہ کسی فرد کو ذہنی معذوری لاحق ہے۔ بہت سے لوگ اپنی حالت کو چھپانا سیکھ لیتے ہیں تاکہ کوئی انہیں تنگ نہ کرے یا ان کے ساتھ امتیاز نہ برتا جاسکے، اور ذہنی معذوری کا شکار تمام لوگوں میں معذوری کی واضح علامات نہیں ہوتیں جیسے کہ بولنے میں مشکل یا چہرے کے خدوخال۔ یہ ضروری ہے کہ ماہرین اس حالت کا پتا لگانے کے لیے ٹیسٹوں کا اہتمام کریں۔

آٹکنز بنام ورجینیا میں سپریم کورٹ آف امریکا نے تسلیم کیا کہ 'ذہنی معذوری کا شکار افراد استدلال، بصیرت، اپنے ہیجانات پر قابو پانے کے حوالے سے، اخلاقی ذمہ داری سے کام انجام نہیں دیتے جو سنگین ترین مجرمانہ طرز عمل کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں، ان کی معذوریاں سزائے موت کے مقدمات کی کارروائی کی معتبریت اور غیر جانبداری پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔' عدالت نے ہال بنام فلوریڈا میں آٹکنز کے فیصلے کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنے مؤقف کو پھر سے دہرایا کہ ذہنی معذوری کا شکار افراد پھانسی دیے جانے کے اہل نہیں تھے۔ عدالت نے خاص طور پر اس بات کی نشاندہی کی کہ ذہنی معذوری کا شکار فرد کو پھانسی دینے سے 'ان افراد کے ٹرائل کی ساکھ کو نقصان پہنچ سکتا ہے جنہیں 'ناجائز پھانسی دیے جانے کے خصوصی خطرے کا سامنا ہے' کیونکہ ان کی جانب سے جھوٹے اقبال جرم کا زیادہ امکان ہے، وہ اکثر ناقص گواہ ہوتے ہیں، اور اپنے وکیل کی پر مقصد معاونت کے قابل نہیں ہوتے۔[36]

(iv) پھانسی دیے جانے کی اہلیت

بین الاقوامی قانون ذہنی طور پر بیمار سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی پھانسی کی ممانعت کرتا ہے چاہے بیماری جرم کے ارتکاب کے وقت یا پھر پھانسی کے وقت موجود ہو۔[37]

اگرچہ پاکستانی قانون اور فلسفہ قانون میں ذہنی طور پر معذور قیدیوں کی پھانسی کی واضح طور پر ممانعت نہیں کی گئی، ایسی بے انصافی کو روکنے کے لیے حفاظتی اقدامات موجود ہیں۔ پاکستان جیل ضوابط 1978ء کے اصول نمبر 444 اور 445 کے تحت، سپرینٹنڈنٹ اس قیدی کی رپورٹ حاصل کرے جو کسی ذہنی خلل کا شکار ہو، اور اسے چاہئے کہ وہ یہ مقدمہ انسپکٹر جنرل کو جمع کرائے تاکہ حکومت کی طرف سے ذہنی صحت کے مرکز منتقلی کے احکامات جاری کرائے جاسکیں۔ تاہم، اگر یہ مقدمہ دماغی خلل کی وجہ سے اشد ضروری سمجھا جائے تو سپرینٹنڈنٹ سرکاری حکم نامے کی غیر موجودگی میں، اصول نمبر 447 کے تحت مدعا علیہ کو ذہنی صحت کے مرکز منتقل کرسکتا ہے۔

برطانیہ نے 1998ء میں سزائے موت کو ختم کردیا، لیکن بلیک سٹون کے تبصرے یہ رہنما اصول فراہم کرتے ہیں کہ ذہنی معذوری کا عقلی معذوری کا شکار لوگوں کی اہلیت کو کیسے سمجھا جائے۔ پھانسی دیے جانے کی اہلیت کے حوالے سے بلیک سٹون نے لکھا ہے کہ: اگر ایسے شخص کا ٹرائل کیا جائے اور وہ قصوروار پایا جائے، وہ فیصلے سے پہلے ہی اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے، تو فیصلے کا اعلان نہیں کیا جائے گا؛ اور اگر فیصلے کے بعد وہ غیر معقول یادداشت کا شکار ہوجاتا ہے تو پھانسی روک دی جائے گی؛ اتفاقیہ طور پر، برطانوی قانون کی انسانیت کہتی ہے کہ اگر قیدی کی ذہنی حالت درست تھی تو وہ فیصلے یا پھانسی کے خلاف کچھ کہہ سکتا تھا۔[38]

چونکہ ذہنی یا عقلی معذوری کا شکار ملزم اپنا مکمل دفاع کرنے کے قابل نہیں ہوگا، بلیک سٹون نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسے شخص کی پھانسی 'انتہائی غیر انسانی اور ظالمانہ' ہوگی اور یہ دوسروں کے لیے کوئی اچھی مثال نہیں ہوسکتی۔'[39]

فورڈ بنام وین رائٹ میں امریکی سپریم کورٹ کے مطابق، امریکا کا آئین کسی 'فاترالعقل' یا ذہنی طور پر بیمار فرد کی پھانسی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ سابق مقدمات کے برعکس جہاں عدالت نے صرف اس بات پر غور کیا کہ آیا ریاست کا فاترالعقلی کا پتا لگانے کا طریقہ کار ذہنی معذوری کا شکار فرد کو پھانسی نہ دینے کی پالیسی سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، فورڈ مقدمے میں عدالت نے آٹھویں ترمیم کے تحت 'سزائے موت کے طریق کار سے متعلق پہلوؤں اور بنیادی پہلوؤں دونوں کا جائزہ لیا'۔[40] اس کی بجائے، جسٹس پاول نے اپنی متفقہ رائے میں پھانسی دیے جانے کی اہلیت سے متعلق ایک زیادہ واضح، اگرچہ محدود، معیار فراہم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ 'آٹھویں ترمیم صرف ان افراد کی پھانسی کی ممانعت کرتی ہے جو خود کو دی جانے والی سزا اور اس بات سے ناواقف ہوں کہ انہیں اس سزا کا سامنا کیوں کرنا پڑے گا'۔[41] اس کا کہنا ہے کہ ایسا شخص جو اپنی نااہلیت کی بناء پر پھانسی روکے جانے کا خواہاں ہوا سے معین طریقہ کار کی شق کے تحت طریقہ کار سے متعلق تحفظ' کے ساتھ منصفانہ سماعت کا حق دیا جائے گا، جس میں 'ریاست کی جانب سے مقرر کردہ ماہر نفسیات کی جانب سے کیے گئے معائنوں کے علاوہ بھی بہت کچھ شامل ہوگا[42]'۔ فورڈ مقدمے میں اپنے فیصلے کے بعد، سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ آٹھویں ترمیم عقلی طور پر معذور افراد کی پھانسی کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے۔

ذہنی طور پر بیمار سزائے موت پانے والے قیدی کی پھانسی کے مکمل طور پر غیر انسانی ہونے کے علاوہ، ایسا کرنا نہ تو کسی اصلاحی مقصد کو پورا کرتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی جواز ہے۔[43] جسٹس ولیم وین کے مطابق، 'اگر ہم اپنی رضامندی سے برا کام کرنے والوں اور غیر متوازن ذہنوں کی بناء پر خوفناک سرگرمیاں انجام دینے والوں میں فرق کرنے کی اخلاقی ضرورت کو رد کردیں، تو ہم ان لوگوں کے ساتھ زیادتی کریں گے'۔

36۔ ہال بنام فلوریڈا، 134 S. Ct. 1986, 1988 (U.S. 2014).

37۔ ایضاً، 35۔

38۔ ولیم بلیک سٹون، 'برطانیہ کے قوانین پر تبصرے' جلد 4۔ (ریس ویلش اینڈ کو۔ 1902): 25-24

39۔ ایضاً، 25۔

40۔ فورڈ بنام وین رائٹ، 477 U.S. 399, 405 (U.S. 1985).

41۔ ایضاً، 422 (پاول، ج۔ متفقہ رائے)۔

42۔ ایضاً، 424 پر۔

43۔ ایضاً، 25۔

اسلامی قانون ذہنی بیماری کا شکار افراد کو سزائے موت دیے جانے کی ممانعت کرتا ہے

اٹھارہویں صدی کے اسلامی سکالر، علامہ سید محمد امین ابنِ عابدین لکھتے ہیں:

'اگر کسی سزائے موت پانے والے مجرم میں سزا کے نفاذ سے پہلے فاترالعقلی کی تشخیص ہوجائے تو اس کی جرم کے بعد کی فاترالعقلی اسے سزائے موت سے بچالے گی، لیکن وہ اب بھی بدلہ خون دینے کا مستوجب ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ یہ فاترالعقلی مستقل نوعیت کی ہو'۔

امام ابوحنیفہ کے مطابق، فاترالعقل کی سزا پر عمل درآمد اس وقت روک دیا جائے گا جب اسے قصاص کی سزا سنائی گئی ہو اور سزا سنائے جانے کے بعد، اور اس کی جانب سے متاثرہ فرد کے ورثاء کو سزا کاٹے جانے کی یقین دہانی کے بعد، اگر وہ فاترالعقلی کا شکار ہوجاتا ہے تو پھر قصاص کو دیت میں بدل دیا جائیگا۔

یہ کہاوت کہ فاترالعقلی وقوع پذیر ہونے کی بناء پر سزا پر پرعملدرآمد روک دیا جاتا ہے، دو عوامل پر مبنی ہے:

الف۔ سزا اس کارندے کی ذمہ داری سے متعلق پیشگی قیاس کرلیتی ہے جسے سزا سنائی گئی ہو، جیسے کہ، وہ اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ چونکہ سزا پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب یہ کسی عدالت کی طرف سے سنائی گئی ہو، اس لیے یہ ضروری ہے کہ سزا کی شرط موجود ہو، یعنی قانونی کارروائی کے دوران مجرم کی ذہنی حالت ٹھیک ہونی چاہئے۔

ب۔ عدالت کی جانب سے سزا کا اعلان عدالتی کارروائی کی انتہا ہے۔ چونکہ ایسی کارروائی کی شرط یہ ہے کہ ملزم ایک ذمہ دار فرد ہونا چاہئے، یہ ضروری ہے کہ وہ اس وقت بھی ایک ذمہ دار شخص ہو جب سزا پر عمل درآمد کیا جارہا ہو؛ بالکل ایسے ہی جیسے کہ سزا کا نفاذ پوری عدالتی یا قانونی کارروائی کا ماحصل ہوتا ہیکہ سزا اس وقت نافذ العمل متصور ہوگی جب مجرم اسے بھگتنے کے لیے تیار ہو۔

چنانچہ، حنفی فلسفہ قانون کیتحت، جسمانی سزا ان مقدمات میں منسوخ ہوجاتی ہے جب مجرم فاترالعقلی کا شکار ہوجائے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ذہنی طور پر بیمار شخص کو موت کی سزا دینا شریعت کے اصولوں کے منافی ہوگی۔ شیخ ڈاکٹر گمال سلیمانی، مولانا محمد شاہد رضا اور ڈاکٹر مامدو بوکوم کی جانب سے جاری کیے گئے ایک فتوے میں کہا گیا ہے کہ:

'اسلام میں مسلمانوں کو ان کے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور قرآن کے مطابق، اسے دوسروں کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ پیغمبرانہ روایات بھی اس نقطہ نظر کی تائید کرتی ہیں۔ تاہم، جب کوئی فرد اپنی ذہنی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے تو ان کے اعمال کے بدلے میں ان کی جوابدہی بھی ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ، ایسا فرد جو فاترالعقل تصور کیا جائے وہ کسی بھی قسم کی مذہبی ذمہ داریاں ادا کرنے کا بھی پابند نہیں۔۔۔ کسی فاترالعقل شخص کو اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرانا اسلام کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس مسئلے پر اسلامی اسکالروں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ جاری ہے۔

' (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ جسٹس پراجیکٹ پاکستان)۔

مکینوں کا بنیادی سہولیات فراہم کرنے کا مطالبہ

پشـــاور 17 فروری کو جنوبی وزیرستان انگوراڈہ کے رہائشیوں نے پشاور پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ علاقہ میں بنیادی سہولیات تعلیم، صحت موبائل نیٹ ورک کی فراہمی اور دیگر سہولیات زندگی فراہم کی جائے، بصورت دیگر احتجاجی تحریک شروع کرنے پر مجبور ہونگے، مظاہرے کی قیادت محمد رسول، پرنسپل جنت میر، محبّ اللہ اور دیگر ساتھیوں نے کی، مظاہرے کے شرکا کا کہنا تھا کہ انگوراڈہ میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے جس کے باعث زیادہ تر بچے تعلیم سے محروم ہوگے جبکہ تعلیم کیلئے دوردراز اضلاع جانے پر مجبور ہیں انہوں نے کہا کہ علاقہ میں نیٹ ورک کام نہیں کرتا جبکہ پی ٹی سی ایل کی سہولیات بھی نہیں اور کوئی ہسپتال بھی نہیں، اس کے علاوہ ترقی یافتہ دور میں وہاں بجلی تک نہیں ہے اور پاک افغان بارڈر کی بندش سے کاروبار بھی ٹھپ ہوکے رہ گئے ہیں، سڑکیں بھی تعمیر نہیں ہوئیں، مظاہرین نے مطالبہ کیا ہے کہ علاقہ میں کالج اور ہائر سیکنڈری سکول کی منظوری کی جائے، ہسپتال قائم کی اجئے اور موبائل نیٹ ورک کی فراہمی ممکن بنانے کے ساتھ پاک افغان بارڈر انگوراڈہ کو مکمل کھولا جائے اور ٹرانزیٹ کیا جائے جبکہ سڑکوں کی دوبارہ تعمیر کی جائے اور کسٹم والے مقامی لوگوں کیلئے اپنا کوٹہ بحال کریں۔

(نامہ نگار)

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جوخامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُرکر کے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

'''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 -ٹیپو بلاک،

نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

معیاری تعلیم کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے یا افراد کی؟

انجم الطاف

لکھاری لاہور یونیورسٹی آف مینیجمنٹ سائنسز (لمز) کے شعبہ برائے ہیومینٹیز، سوشل سائنسز اور لا کے ڈین رہ چکے ہیں۔

ورکی فاؤنڈیشن اور یونیسکو کے زیرِ اہتمام 10 لاکھ ڈالر مالیت کا گلوبل ٹیچر پرائز 2020ء مہاراشٹر کے ایک استاد رنجیت سنھ دیسل کو دیا گیا ہے۔ رنجیت مہاراشٹرا کے ایک گاؤں میں واقع پرائمری اسکول میں مقامی قبائل سے تعلق رکھنے والی بچیوں کو پڑھاتے ہیں۔ رنجیت کا انتخاب 140 ممالک کے 12 ہزار امیدواروں میں سے کیا گیا۔

رنجیت میں 2 ایسی خوبیاں ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ رنجیت جس جگہ پڑھاتے ہیں انہوں نے وہاں کی مقامی زبان سیکھی تاکہ وہ طلبہ کو ان کی مادری زبان میں ہی درسی کتاب پڑھائیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رنجیت ہمارے تمام وزیروں اور پالیسی ساز افراد سے زیادہ قابل اور سمجھدار ہیں اور یہ خوبی رنجیت کو اس انعام کا اہل بناتی ہے۔

رنجیت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ان کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو خود سے بڑھ کر سوچتے ہیں۔ اس انعام کے حقدار کا تعین کرنے کے لیے رنجیت سمیت 10 افراد کو شارٹ لسٹ کیا گیا تھا۔

رنجیت نے انعام کی آدھی رقم یعنی 5 لاکھ ڈالر باقی 9 افراد میں تقسیم کردی ہے۔ رنجیت کا کہنا ہے کہ 'باقی افراد کی محنت بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ اگر میں انعام کی رقم باقی اساتذہ کے ساتھ بانٹ لوں تو انہیں بھی اپنا کام جاری رکھنے میں مدد ملے گی اور اس طرح ہم زیادہ سے زیادہ بچوں تک پہنچ کر ان کی زندگیوں کو بہتر بنا سکتے ہیں'۔

بحیثیت استاد رنجیت کی دانائی اور عزم کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے، اور اسی وجہ سے انہیں دنیا بھر میں سراہا بھی گیا ہے۔ دلائی لاما نے بھی ان کی جانب سے انعامی رقم کو دیگر اساتذہ میں تقسیم کرنے کے قدم کو سراہتے ہوئے کہا کہ 'بچوں اور خاص طور پر غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے بچوں کو تعلیم دینے سے بہتر کچھ نہیں ہے۔ اس طرح ہم ایک بہتر دنیا کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں'۔

لیکن جہاں میں رنجیت جیسے اساتذہ کو سراہ رہا ہوں وہیں میرے ذہن میں یہ سوال بھی جنم لے رہا ہے کہ آخر دلائی لاما اور ان جیسی ہی شہرت رکھنے والے دیگر افراد نے اس موقع پر دنیا کے سامنے یہ سوال کیوں نہیں رکھا کہ آخر کیوں دنیا بھر میں لاکھوں بچے آج بھی تعلیم کے لیے خیرات پر انحصار کرتے ہیں؟

اگر رنجیت تدریس کے علاوہ کوئی اور پیشہ اختیار کرتے تو اس گاؤں کے طلبہ کا کیا بنتا؟ اور آخر ہمیں تمام ضرورت مند طلبہ کو پڑھانے کے لیے کتنے رنجیت درکار ہوں گے؟ مولانا رومی نے صدیوں پہلے کہا تھا کہ 'اگر تم سمندر کے پانی کو ایک جگ میں ڈالو گے تو صرف ایک دن کے استعمال کا پانی ہی آئے گا'۔

کیا ہم ایک ایسی دنیا کو قبول کرلیں جس میں بچے تعلیم کو اپنا حق نہ کہہ سکیں اور جہاں بچوں کی اکثریت بھیک مانگ رہی ہو یا دوسروں کی مدد کی متلاشی ہو؟ دنیا کو بہتر بنانے کا حل خیرات میں نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ بہتر دنیا عدم مساوات کے خاتمے کے لیے صرف رنجیت جیسے افراد پر انحصار کرتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی چیز ہے جو درست نہیں ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا ہم جانے ان جانے اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ تعلیم کا حق ہمیں آئین دیتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ 'ریاست 5 سے 16 سال کی عمر تک کے ہر بچے کو قانون کے مطابق مفت اور ضروری تعلیم فراہم کرے گی'۔

آئین میں یہ بھی درج ہے کہ 'ریاست کم سے کم وقت میں ناخواندگی کو ختم کرے گی اور پرائمری اور سیکنڈری سطح پر مفت لازمی تعلیم فراہم کرے گی'۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وعدوں اور عملی اقدامات میں واضح فرق ہے۔ اسکول جانے کی عمر کے 44 فیصد بچے اسکولوں سے باہر ہیں۔ لیکن اصل مسئلہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آخر بچوں کی اکثریت اسکولوں میں جو تعلیم حاصل کررہی ہے اس تعلیم کا معیار کیا ہے؟ اور کیا ایک ہی ملک میں بچوں کو دی جانے والی تعلیم میں فرق ہونا چاہیے؟

تعلیم کے معیار کے ساتھ ساتھ اس تک رسائی پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نہیں معلوم کہ اس وقت کون زیادہ خوش قسمت ہے، وہ جو اسکولوں سے باہر ہیں یا پھر وہ جو اسکولوں میں ہیں اور ناقص تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اگر تعلیم تک رسائی کا مسئلہ حل ہو بھی جائے تو پھر بھی تعلیم کے معیار اور اس حوالے سے امتیازی سلوک کا مسئلہ باقی رہتا ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ہر بچے کو یکساں معیار کی بنیادی تعلیم ملنی چاہیے یا اس کا انحصار والدین کی دولت پر ہونا چاہیے؟

کیا تعلیم منڈی میں فروخت ہونے والی کوئی چیز ہے کہ جس نے چاہا اس نے زیادہ بہتر چیز خرید لی اور باقی لوگ خیرات پر منحصر ہیں، وہ بھی اس صورت میں کہ اگر وہ خوش قسمت ہوں؟ شاید کوئی بھی اس طرزِ عمل کی حمایت نہیں کرے گا۔

یہ بات واضح ہے کہ یکساں قومی نصاب معیاری تعلیم کے حصول میں برابری پیدا نہیں کرسکتا۔ اس کا انحصار تو استاد کی قابلیت پر ہے جس کا براہِ راست تعلق اس تنخواہ سے ہوتا جو اسکول اس استاد کو ادا کرتا ہے، جس کا انحصار اس بات پر ہے کہ فیس کی مد میں اسکول کتنے پیسے لے رہے ہیں۔

ہم اس وقت تک ایک بہتر دنیا کی تعمیر نہیں کرسکتے جب تک ہم اس سوال کا جواب حاصل نہیں کرلیتے۔ رنجیت کی کامیابی پر ہماری خوشی جائز ہے لیکن ہمیں ساتھ ہی یہ بھی سوچنا ہوگا کہ آخر ہم نے اس دنیا کو کیا بنا دیا ہے کہ اب ہمیں رنجیت جیسے ہیرو کی ضرورت پڑ رہی ہے۔

(بشکریہ ڈان)

ع//عشرہ کشمیر

اشتعال انگیز دھواں اٹھے گا

جلے ہوئے گھروں کی چمنیوں سے

اٹھ کھڑے ہوں گے آتنک وادی درخت

پیڑ ٹوٹے سایے، سر پھوٹے پھل کے بل

نوجوان جوڑوں کی بازدید پر

سرمئی سا مسکرا کے رہ جائیں گے

سابقہ باغ، موجودہ قبرستان

گزارے لائق ناشتہ فراہم کر سکیں گے

بچے کھچے ڈھوروں کو، اوروں کو

نچے بالوں کچلی رانوں سمیت کھیت

ع//ایک بہادر عورت کی موت

ہمیں زبانی یاد رہتا ہے شجرِ نسب

اپنے محبوب، اور نامحبوب سیاستدانوں کا

مکمل ٹریک ریکارڈ ہوگا ہمارے پاس

فرسٹ سیکنڈ تھرڈ کلاس، ہر کرکٹر کا

ہمیں کیا پتا، کس رنگ کے پھول پسند تھے اُسے

یا، کونسی مُر کی اُس کے کانوں میں آویزاں تھی

آخری بار، اپنی کار میں بنی گالہ سے نکلتے ہُوے

ہم نے کبھی اُس کا ساتھ دینے کی غلطی نہیں کی

ہم نے تو کبھی اُس کو گالی تک نہیں دی

عاصمہ جہانگیر کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں

(ادریس بابر)

گرفتار کر کے لاپتہ کر دیا گیا

حیدر آباد لالو لاشاری کی شاہ لطیف کالونی کے رہائشیوں اور ہٹڑی پولیس کی جانب سے نوجوان نادر مگسی کو مبینہ گرفتار کر کے لاپتہ کرنے کے خلاف ورثاء کی جانب سے حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ اس موقع پر لاپتہ نوجوان کی والدہ امیران اور والد حکیم مگسی نے بتایا کہ 31 جنوری کی رات 2 بجے ہٹڑی پولیس کی 5 موبائل گاڑیوں میں سوار اہلکاروں نے ہمارے گھر پر چڑھائی کر کے ہمارے نوجوان بیٹے نادر مگسی کو گرفتار کر کے لاپتہ کر دیا اور اب گرفتاری سے لاتعلقی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ہمارا بیٹا بے گناہ ہے اور رکشہ چلا کر گھر کا گزر بسر کرتا ہے۔ آئی جی سندھ، ڈی آئی جی، اور ایس ایس پی حیدرآباد ہمارے بیٹے نادر مگسی کی گرفتاری ظاہر کر کے اسے فوری رہا کرائیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

توہینِ رسالت کا من گھڑت الزام

کراچی تبیتا گل سوبھراج میٹرنٹی اسپتال میں بطور سینئیر نرس خدمات فراہم کرتی تھیں۔ اس سے پہلے انہوں نے بہت عرصہ سول ہسپتال کراچی میں بھی کام کیا۔ جبکہ وہ مسیحی انجیل کے گیت بھی گاتی ہیں اور سوشل میڈیا پر بھی مذہبی تعلیمات کے لیے کافی سرگرم رہی ہیں۔ بروز جمعرات ڈیوٹی روسٹر کی تبدیلی کے ذاتی جھگڑے پر وہاں کی نرس صبا نے تبیتا پر توہین رسالت کا الزام لگا کر کچھ لوگوں کو ساتھ ملایا اور اس پر تشدد کرتے ہوئے اسے تیسری منزل سے نیچے لائے۔ پھر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ پھر ایک وڈیو وائرل ہوئی جس میں کافی مجمع اکٹھا ہو کر کمرے میں گیا اس کے ہاتھ باندھے گئے دو برقع پوش خواتین بھی اسے کپڑے سے باندھ کر مار رہی ہیں۔ تبیتا بار بار کہہ رہی ہیں کہ اس نے توہین رسالت نہیں کی مگر صبا نامی خاتون نرس اسے تھپڑوں سے مار رہی ہے۔ اس دوران اس سے معافی نامہ لکھوانے کی بھی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کے کپڑے بھی پھاڑے گئے۔ اس میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ کئی لوگ اس عورت پر تشدد نہ کرنے کا بھی کہہ رہے ہیں اس کے بعد اسے پولیس کے حوالہ کر دیا گیا۔ پھر وہاں کی ایک سٹاف نرس کوثر نامی خاتون کا وڈیو وائرل ہوا ہے جس میں اس کا کہنا ہے کہ تبیتا نامی نرس ایک اچھی خاتون ہے اور اس نے توہینِ رسالت نہیں کی اور ذاتی معاملات پر توہینِ رسالت کا الزام مت لگائیں۔ اُس کے بعد پولیس تبیتا کو تھانے لیجا کر توہین رسالت کا کوئی ثبوت نہ ملنے پر اسے چھوڑ دیتی ہے۔ پھر اس کے بعد صبا نامی خاتون نے اگلے دن اپنی مدعیت میں پولیس میں دفعہ 295 سی کے تحت ایف آئی آر کروائی۔ مگر پولیس نے ابھی تک نہ تو کسی کو گرفتار کیا ہے نا ہی تبیتا پر تشدد کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی کی۔ اب دیکھا جائے تو وڈیو میں موجود سٹاف نرس کوثر رحمان خاتون کے مطابق بھی یہ ذاتی جھگڑے کا معاملہ ہے اور دوسری طرف وائس آف امریکہ اردو کی خبر کے مطابق بلدیہ عظمیٰ جس کے زیرِ انتظام یہ ہسپتال چلتا ہے وہاں کے ایک اعلیٰ احکام کے مطابق بھی یہ ڈیوٹی روسٹر کی تبدیلی پر ہونے والا ذاتی جھگڑا ہے۔ پھر پولیس نے جب گرفتار کر کے تحقیق کی تو انہیں بھی کوئی ثبوت نہ ملنے پر تبیتا کو چھوڑنا پڑا۔ ان سب باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تبیتا پر ذاتی جھگڑے کی بنا پر الزام لگایا گیا ہے۔

(عبدالحئی)

غیرت کے تصور نے جان لے لی

شمالی وزیرستان میرانشاہ سے دور ایک گاؤں میں ایک شخص نے غیرت کے نام پر گھر کے باہر موجود ایک شخص اور اپنی بھابی کو قتل کر دیا۔ ایس پی انویسٹی گیشن شمالی وزیرستان کے مطابق میرانشاہ سے شمال کی طرف 25 کلومیٹر دور پاک افغان سرحد کے قریب تحصیل غلام خان کے گاؤں لولی فقیران میں غیرت کے نام پر ایک خاتون اور ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ پولیس کے مطابق ملزم نے گھر کے باہر موجود شخص کو خنجر سے وار کر کے قتل کیا اور بعد ازاں گھر میں داخل ہو کر اپنی بھابی کو بھی غیرت کے نام پر قتل کر دیا، خاتون کی عمر تقریباً 30 سال تھی جو 2 بچیوں کی ماں اور 8 ماہ کی حاملہ تھی۔ دوسری جانب پولیس کو اطلاع ملتے ہی آئی جی خیبر پختونخوا ڈاکٹر ثناء اللہ عباسی کے حکم پر ڈی پی او شفیع اللہ گنڈاپور نے خصوصی ٹیم تشکیل دی جس نے بھاری نفری کے ساتھ جائے وقوعہ پر چھاپہ مار کر ملزم کو گرفتار کر لیا۔ پولیس نے ملزم کو آلہ قتل سمیت گرفتار کر لیا اور دونوں لاشوں کو ڈی ایچ کیو ہسپتال میرانشاہ پوسٹ مارٹم کیلئے منتقل کر دیا۔ ملزم نے اعترافِ جرم کر لیا تھا۔

(مسعود شاہ)

لائبریری کے عملے کی تقرری کا مطالبہ

اوکاڑہ محکمہ آرکائیو اینڈ پبلک لائبریریز حکومت پنجاب کے انتظامات کے تحت چلنے والی سٹی روڈ پر واقع نئی عمارت میں قائم پبلک لائبریری میں لائبریرین اور اسسٹنٹ لائبریرین کی آسامیوں پر آفیسر تعینات ہوئے چکے ہیں۔ کلیریکل سٹاف اور درجہ چہارم کی آسامیوں پر ملازمین کی تعیناتی کے لیے ایک سال قبل انٹرویوز اور ٹیسٹ مکمل ہو گئے تھے مگر محکمہ مذکور نے ایک سال گزر جانے کے باوجود تا حال کامیاب اُمیدواروں کے تقررنامے جاری نہیں کیے۔ مذکورہ لائبریری سٹاف کی تعیناتی نہ ہونے کے وجہ فعال نہیں ہو سکی اور نہ ہی اس کا کوئی باقاعدہ افتتاح ہوا ہے۔ مذکورہ لائبریری میں مطالعہ کے لیے کتب، اخبارات اور مطالعہ کے لیے آنے والے افراد کے لیے فرنیچر اور مطلوبہ ضروری سامان پہلے ہے لائبریری میں پہنچ چکا ہے۔ مذکورہ صورت حال کی وجہ سے مقامی شہری تشویش میں مبتلا ہیں۔ مقامی شہریوں نے وزیر اعلیٰ پنجاب اور چیف سیکرٹری پنجاب سے پبلک لائبریری بصیر پور سے متعلقہ مسائل کا فوری نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

سینکڑوں افراد کا بے روزگار ہونے کا خدشہ

نواب شاہ شہید بینظیر آباد کی انتظامیہ نے اعلیٰ عدالت کے حکم نامے کی روشنی میں سرکاری پارک قابضین سے واگزار کرانے کیلیے نواب شاہ شہر کے وسط میں قائم چکرہ بازار کی 365 دوکانوں کو گرانے کا آخری نوٹس جاری کر کے ہزاروں افراد کو بے روزگار کرنے کے خدشات پیدا کر دیے ہیں۔ دوسری طرف تاجروں نے اعلیٰ عدلیہ سے چکرہ بازار سے متعلق فیصلے پر نظر ثانی کرنے کیلیے استدعا کی ہے۔ میونسپل کمیٹی نواب شاہ انتظامیہ کی جانب سے شہر کے پانچ مختلف شاپنگ سینٹر سیمی گول چکرہ ون، سیمی گول چکرہ ٹو، مدنی سینٹر، فائر بریگیڈ کی دکانیں اور عبدالقادر پارک کی 365 دوکانوں کی مسماری کے نوٹس کے اجراء کے خلاف نواب شاہ کے تاجروں کی جانب سے شہر بھر میں مکمل طور پر شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی۔ شہر کے مرکزی کاروباری مراکز موتی بازار، لیاقت مارکیٹ، موبائل مارکیٹ، کپڑا مارکیٹ، منو آباد، قاضی احمد موڑ، سکرنڈ روڈ مکمل طور پر بند رہے۔ چکرہ بازار نوابشاہ کا اہم اور قدیم تجارتی مرکز ہے جہاں تین دہائی قبل میونسپل لائبریری کے اطراف میں سبزہ زار تھا۔ 1993 میں جس علاقہ کو مارکیٹ بنا کر میونسپل کمیٹی نے دوکانیں زیادہ تر انہیں افراد کو الاٹ کیں جو پہلے سے اس سبزہ زار کے گرد کیبن اور پتھارے لگا کر روزگار کر رہے تھے۔ تین دہائیوں سے کاروبار کر کے اپنے خاندانوں کی کفالت کرنے والے 365 دوکانداروں کو میونسپل انتظامیہ نے گزشتہ روز حتمی نوٹس بھی جاری کیا تو دوکانداروں نے تاجر تنظیموں کے ساتھ احتجاج اور ہڑتال کی کال دیدی جس پر تاجروں نے اپنی کاروباری سرگرمیاں معطل کر دیں۔ احتجاج کا سلسلہ جاری تھا کہ یکے بعد دیگرے دو تاجر صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے چل بسے۔

(آصف البشر)

خاتون کے ساتھ مبینہ جنسی زیادتی

عمر کوٹ 21 جنوری کو میرپور خاص روڈ پر عمر کوٹ شہر سے کچھ فاصلے پر اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والی شریمتی شانتی کو مبینہ طور پر جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ متاثرہ عورت شریمتی نے جہدِ حق کے نامہ نگار کو بتایا کہ وہ تھر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور روزگار کی تلاش میں وہ عمر کوٹ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ وہ عرصہ 12 برس سے اس بھٹے پر کام کر رہے ہیں۔ وقوعہ کی رات وہ اپنے گھر میں سوئی ہوئی تھی کہ بھٹہ مالک نے اسے اسلحے کے زور پر جنسی زیادتی کا نشانہ بنا ڈالا۔ واقعے کا مقدمہ درج کر لیا گیا تھا۔ دوسری طرف ملزم بھٹہ مالک کا کہنا تھا کہ شریمتی اور اُس کا شوہر اس کے مقروض تھے اور انہوں نے قرضے کی رقم سے چھٹکارا پانے کے لیے اس پر جنسی زیادتی کا جھوٹا الزام عائد کیا ہے۔

(اوکھول)

بھتہ نہ دینے پر دو جواں سالہ بھائی بہن سمیت قتل

نوشہرہ 16 فروری 2021 کو بھتہ نہ دینے پر دو جواں سالہ بھائیوں کو بہن سمیت قتل کر دیا گیا۔ کمسن بھائی کو زخمی جبکہ پورے خاندان کو اپنے ہی گھر سے بے دخل کر کے بھتہ خور اسی گھر میں منشیات فروشی کا دھندہ کر رہے ہیں۔ ملزمان طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ملزمان گرفتار نہ کئے گئے اور ہمیں انصاف فراہم نہ کیا گیا تو چھوٹے بچوں سمیت خود پر پیٹرول چھڑک کر ڈی پی او نوشہرہ کے دفتر کے سامنے اجتماعی خودسوزیاں کریں گے۔ اس سلسلے میں نوشہرہ کے علاقہ تھانہ اکوڑہ خٹک کی حدود میں واقع ملی خیل کی رہائشی مسماۃ ماہ نور نے اپنی والدہ مسماۃ بس نامہ اور بیوہ بھاوج بخت ناز کے ہمراہ نوشہرہ پریس کلب کے سامنے اجتماعی مظاہرہ کیا اور بعدازاں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہ کہ سجاد، زید اللہ، طاہر، کامران، عظیم، درودس، نواب، اسد اور دولت ہم سے بھتہ کا مطالبہ کر رہے تھے، ہم نے انکار کر دیا تو ان سب نے ملکر پہلے میری، بہن مسماۃ شاہدہ کو قتل کیا پھر میرے بھائی برکت کو قتل کیا، برکت کے بعد ان ظالموں نے میرے کمسن بھائی علی پر فائر کر کے زخمی کر دیا اور اب انہوں نے میرے جواں سالہ بھائی انور شاہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مخالفین نے ہمارے گھر پر قبضہ کر کے اسی گھر میں منشیات کا کاروبار کر رہے ہیں اور ہمیں اپنے ہی گھروں سے بے دخل کر دیا ہے اور ہم اپنے گھر کے مالک ہوتے ہوئے بھی در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔ انہوں مزید کہا کہ وہ کئی بار اپنی فریاد لیکر پولیس کے پاس گئے ہیں لیکن مقامی پولیس ان بااثر بھتہ خوروں کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور ہماری کوئی شنوائی نہیں ہو رہی ہے۔ اُلٹا ملزمان ہمیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا محمود خان، آئی جی پی خیبر پختونخوا ڈاکٹر ثناء اللہ عباسی، ڈی آئی جی مردان ریجن اور ڈی پی او نوشہرہ سے دادرسی کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ہمیں بااثر بھتہ خوروں، منشیات فروشوں سے تحفظ فراہم کرتے ہوئے انصاف دلائیں، بصورت دیگر ایک ہفتے میں انصاف نہ ملنے پر وہ ڈی پی او نوشہرہ کے دفتر کے سامنے خود پر اور اپنے بچوں پر پیٹرول چھڑک کر اجتماعی خودسوزیاں کریں گے جس کی تمام تر ذمہ داری نوشہرہ پولیس پر عائد ہو گی۔

(نامہ

"پولیس نے میرے بیٹے کو گرفتار کر کے گولیاں ماردیں

حیدر آباد تعلقہ قاسم آباد کے علاقے میمن نگر کی رہائشی خواتین نے لطیف آباد پولیس کی جانب سے 17 سالہ لڑکے سلیمان کا تیار کو گرفتار کرنے کے بعد مبینہ طور پر گولیاں مار کر زخمی کرنے کے واقعے کے خلاف حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر زخمی نوجوان کی والدہ زبیدہ کا تیار نے الزام عائد کیا کہ لطیف آباد اے سیکشن تھانے کے پولیس اہلکار آصف جتوئی اور عمران قریشی نے دو روز قبل ان کے گھر پر چڑھائی کر کے اہلخانہ کو تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد لوٹ مار کی اور ان کے بیٹے 17 سالہ سلیمان کا تیار کو بلاجواز گرفتار کر کے لے گئے اور اسے گولیاں مار کر زخمی کر دیا جو اس وقت سول اسپتال حیدرآباد میں زیر علاج ہے۔ زخم گہرے ہونے کی وجہ سے ڈاکٹروں نے اسے کراچی لے جانے کے لیے کہا لیکن حیدرآباد پولیس اسے کراچی منتقل کرنے کی اجازت نہیں دے رہی اور ان کے بیٹے کی حالت نازک ہے۔ خاتون کا کہنا تھا کہ چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ، ڈی آئی جی اور ایس ایس پی حیدرآباد اُن کے بیٹے کو علاج کے لئے کراچی لے جانے کی اجازت دلائیں اور اسے بلاجواز گولیاں مارنے والے پولیس اہلکاروں کے خلاف کارروائی کریں۔

(لالہ عبدالحلیم)

ایک اور احمدی کی جان لے لی گئی

پشاور پشاور کے علاقہ بازید خیل میں عبدالقادر نامی احمدی کو کلینک کے باہر گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا۔ مقتول کے رشتہ داروں نے قاتل کو موقع واردات سے پکڑ لیا اور مقامی پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں یہ 9واں حملہ تھا۔ اس سے پہلے بھی متعدد احمدیوں کو ان کے عقیدے کی بنا پر قتل کیا جا چکا ہے۔ پورے ملک میں عموماً اور پشاور میں خصوصاً احمدیہ فرقے کی نسل کشی جاری ہے لیکن حکومت اور متعلقہ تمام ادارے اس سنگین معاملے کا نوٹس نہیں لے رہے۔

(سردار خضر حیات)

''سکول کی نئی ڈریس کے لئے''

ایک غریب بچے کی اپنے باپ سے سکول کے لباس کی التجا

بابا مجھے سکول کی نئی ڈریس لے کردو
کوئی نیا اچھا سا جوڑا لے کردو
میں روزانہ سکول جاتا ہوں
مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے
استاد بھی مجھے روزانہ ڈانٹتا ہے
شرم سے میرا سر جھک جاتا ہے
یوں میں شرمسار ہو جاتا ہوں
اور میں
سکول سے روز بھاگ آتا ہوں
بچے سب ہی مجھ پر طنز کے تیر برساتے ہیں
اور مجھے سکول آنے سے روکتے ہیں
لیکن ''بابا'' میں کیا کروں
میں تو پڑھنا چاہتا ہوں
علم کی شمع جلانا چاہتا ہوں
پھر، آپ ہی بتائیں،
مجھے ایک جیسے شاگردوں کے ساتھ مل کر بیٹھوں کیسے؟
بغیر یونیفارم کے ''میں'' سکول جاؤں کیسے؟
آخر! ''بابا'' بات کیا ہے
بابا مجھ سے کچھ تو بات کرو
صرف 'حامی بھرنے' میں کیا رکھا ہے
ہاں ہاں روز ہوتی رہتی ہے
آج نہیں کل لے کر دیں گے!
صاف کیوں نہیں کہتے
سچ کہنے میں کیا حرج ہے؟
یونیفارم لینے کی طاقت نہیں ہے
پڑھنے لکھنے کی عمر بیت جائے گی
دنیا داری کے چکروں کو میں خوب جانتا ہوں
اور سب کچھ سمجھتا بھی ہوں، ''بابا''
''رات سنی میں نے ساری باتیں''
پیاری اماں سے جو تم کہتا تھا
کٹھ کی اوٹ میں کھڑے ہو کر
''میں'' نہیں ہوں بھولا

(مراسلہ نگار، شری مرلی چند، شکار پور، سندھ)

اختلاف رائے پر بدترین کریک ڈاؤن

اقلیتوں، عورتوں کو درپیش خطرات میں اضافہ ہوا

12 ستمبر، 2020: سول سوسائٹی کے کارکنان کراچی، پاکستان میں ایک شاہراہ پر ایک عورت کے اجتماعی جنسی تشدد کے خلاف ایک ریلی میں شریک ہیں۔

نیویارک ہیومن رائٹس واچ نے آج اپنی عالمی رپورٹ 2021 میں کہا ہے کہ 2020 کے دوران پاکستان کی حکومت نے ذرائع ابلاغ، سیاسی مخالفین اور سول سوسائٹی پر کریک ڈاؤن میں اضافہ کیا، جبکہ عورتوں اور اقلیتوں پر تشدد روکنے میں ناکام رہی۔

پاکستان کے حکام نے انسانی حقوق کے دفاع کاروں اور صحافیوں کو حکومتی پالیسیوں پر تنقید کی پاداش میں ہراساں کیا اور بعض اوقات ان کے خلاف مقدمے درج کیے۔ حکام نے سیاسی مخالفین اور حکومت کے ناقدین کو حراست میں لینے کے لیے پاکستان کے انسداد بدعنوانی ادارے، قومی احتساب بیورو کا استعمال کیا۔ اس طرح حراست میں لیے جانے والوں میں جنگ گروپ کے ایڈیٹر میر شکیل الرحمان میں بھی شامل تھے جو چھ ماہ تک ضمانت نہ ہونے کے باعث قید میں رہے۔ ہیومن رائٹس واچ کے ایشیا ڈائریکٹر براڈ ایڈمز نے کہا، پاکستان میں سیاسی مخالفین اور اظہار کی آزادی پر رواں حملوں نے ملک کو خطرناک راستے پر ڈال دیا ہے۔ حزب مخالفین کے رہنماؤں، کارکنوں اور حکومت پر تنقید کرنے والے صحافیوں کے خلاف دھونس و دھمکی جمہوریت کی نہیں بلکہ آمریت کی علامت ہے۔ اپنی 761 صفحاتی عالمی رپورٹ 2021 کے اکتیسویں ایڈیشن میں، ہیومن رائٹس واچ نے 100 سے زائد ممالک میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اپنے تعارفی مضمون میں، ایگزیکٹو ڈائریکٹر کینتھ روتھ نے مطالبہ کیا کہ آنے والی امریکی حکومت کو چاہیے کہ وہ انسانی حقوق کے احترام کو اپنی ملکی و غیر ملکی پالیسی کا اس طرح لازمی حصہ بنائے کہ مستقبل کی ایسی امریکی حکومتیں بھی اس پر کوئی منفی اثر نہ ڈال سکیں جو انسانی حقوق کے لیے زیادہ پر عزم ثابت نہیں ہو پاتیں۔ روتھ نے زور دے کر کہا کہ حالانکہ ٹرمپ نے انسانی حقوق کے تحفظ سے زیادہ تر ہاتھ کھینچا ہے مگر دیگر حکومتیں انسانی حقوق کی علمبرداری کے لیے آگے بڑھی ہیں۔ بائیڈن حکومت کو اس نئی اجتماعی جدوجہد میں دوسروں کی جگہ لینے کی بجائے اس کا حصہ بننا چاہیے۔

احمدیہ برادری کے لوگ مذہب کی تضحیک کے قوانین، اور احمدی مخالف مخصوص قوانین کا بدستور نشانہ بنتے رہے۔ شدت پسند گروپ اور اسلامی سیاسی جماعت تحریک لبیک (ٹی ایل پی) احمدیوں پر خود کو مسلمان ظاہر کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی رو سے بھی احمدیوں کا خود کو مسلمان ظاہر کرنا ایک جرم ہے۔ مئی میں، حکومت نے احمدیوں کو اقلیتوں کے قومی کمیشن کا حصہ نہیں بنایا۔ نئے بننے والے اس کمیشن کا مقصد ملک کی مذہبی اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ جولائی میں، ایک احمدی طاہر نسیم جسے توہینِ رسالت کے مقدمے میں 2018 میں گرفتار کیا گیا تھا، کو جولائی میں ایک حملہ آور نے پشاور میں فائرنگ کر کے مار ڈالا۔ حملہ آور انتہائی سیکیورٹی والی عدالت کے احاطے میں بندوق سمگل کر کے لایا تھا۔ پاکستانی حکومت نے مذہب کی تضحیک کے قوانین کو تبدیل یا منسوخ نہیں کیا۔ ان قوانین نے مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد کی راہ ہموار کی ہے اور انہیں بے جا گرفتاریوں اور مقدمہ سازی کا شکار بنایا ہے۔ اگست میں، خواتین صحافیوں کے معروف گروپ نے اپنے ایک بیان میں ایسی خواتین صحافیوں اور تبصرہ نگاروں کو سوشل میڈیا پر موت اور ریپ کی دھمکیوں سمیت کھلی اور منظّم مہم جوئی کی مذمت کی جو حکومت پر تنقید کر رہی تھیں۔ ستمبر میں، لاہور پولیس کے سربراہ نے ایک کھلے عام بیان میں کہ پنجاب میں ایک شاہراہ پر جو عورت گینگ ریپ کا نشانہ بنی، وہ خود بھی اس کی قصوروار تھی کیونکہ اسے رات کے وقت موٹروے پر اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس بیان کے بعد ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے جن میں پولیس اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا۔ اس رپورٹ کے تحریر ہونے تک، پاکستان میں کوویڈ 19 کے کم از کم 350,000 مصدقہ کیسز تھے اور اموات کی تعداد کم از کم 7,000 تھی۔ طبی معائنوں کی مناسب موجودگی نہ ہونے کی وجہ سے اصل تعداد زیادہ ہونے کا خدشہ ہے۔ جزوی یا مکمل لاک ڈاؤن نے عورتوں، خاص طور پر گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں اور گھریلو مزدوروں کو زیادہ بری طرح متاثر کیا ہے۔ سندھ حکومت نے مزدوروں کی ملازمت کے تحفظ اور انہیں تنخواہوں کی ادائیگی یقینی بنانے کے لیے کچھ اقدامات کیے تھے۔ گھریلو تشدد پر کام کرنے والی ہیلپ لائنز کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ جنوری سے مارچ 2020 کے دوران پاکستان میں گھریلو تشدد کے واقعات میں 200 فیصد اضافہ ہوا، اور مارچ کے بعد لاک ڈاؤن کے دوران صورتحال اور زیادہ بگڑ گئی تھی۔

(بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلٰی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھربار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلٰی تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِحق

Monthly JEHD-E-HAQ

16 فروری اسلام آباد : ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر کا اہتمام کیا

اظہارِلاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کرلیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے مَتن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد وخیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جا سکتی۔

اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15